UNIVERSAL LIBRARY
OU_224288
UNIVERSAL LIBRARY

شمع تجلی

علمی۔ ادبی۔ اخلاقی دلچسپیوں کا

ایک ماہوار مجموعہ

جلد ۱ نمبر ۱

بابت جون [illegible]

جو

ہر مہینے نہایت کامیابی کے ساتھ

ناظر پریس دہرہ دون سے شائع ہوتا ہے

اڈیٹر ڈاکٹر شوکت حسین صدیقی شوکت۔ مرادآبادی

سالانہ قیمت عام خریداروں سے بغیر محصول عہ

مع محصول ڈاک عہ ۱۲ر

جملہ خط وکتابت وترسیل زر بنام حکیم ناظر الدین احمد دہلوی

مالک رسالہ ہذا ہونی چاہیئے

قواعد و ضوابط

(۱) ہر انگریزی ماہ کے اخیر ہفتہ میں شایع ہوا کرے گا۔

(۲) قیمت سالانہ علاوہ محصولڈاک عہ مع محصولڈاک عـہ ہوگی۔

(۳) جملہ تحریرات خوشخط لکھی ہوئی آنی چاہئیں۔ ہرگز خط واپس نہ کئے جاوینگے۔ گمنام مراسلت شایع نہ ہوگی۔

(۴) خلاف قانون مضامین شایع نہ ہونگے۔ قبیح خلاف قانون الفاظ کا حذف کردینا اور ناقابل اندراج مضامین واپس کرنا یا نہ کرنا ایڈیٹر صاحب کو اختیار ہوگا۔

(۵) ہر جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ آنا چاہیئے۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔

(۶) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام حکیم ناظر الدین احمد دہلوی مدیر رسالہ ہٰذا ہونی چاہیئے۔

(۷) درخواست خریداری کیساتھ قیمت پیشگی یا وی پی کی اجازت آنی چاہیئے۔ مابعد کا کوئی حساب نہیں۔

(منیجر)

تصحیح

۴۹

ہے جلوہ فگن برق تجلی مرے دل میں
آئیں تو ذرا حضرت موسیٰ مرے دل میں

دوستان بزم نشاط نا واقفان انوار تجلیات۔ آؤ کہاں ہو۔ دیکھو جس تجلی کیخاطر حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے اور جلوہ حقیقت دیکھنا چاہتے تھے آج رسالہ شمع تجلی اہل بینش کیلئے اُسی روشنی کا مینار بلند کرتا ہے۔ اس طلسم قدرت میں پردہ دری ہم کریں گے اور نور کی تجلی سے ضیا حاصل کرنا آپ کا کام ہے۔

سنتے ہیں آپ پیارے زمانے کا درد دل۔ کہئے تو ہم بھی قصہ سوز جگر کہوں

عالم نباتات کیطرف دیکھیے تو ایک قسم کے وہ پودے ہیں درخت وہ بیل بوٹے جو کسی صاف پانی سے سینچے جانے سے عمدہ نشو و نما پاتے ہیں اور برگ و ثمر اور گل و غنچہ بار ور ہوتے ہیں اک دوسری قسم کی نازک اندام بیلیں ہیں جو کسی نازپرور دہ حسینہ کی طرح محنت و مشقت سے آزاد ہیں۔ وہ کسی نہ کسی درخت سے چمٹ جاتی ہیں اور اپنی عمر کا حصہ اسی ذریعہ سے حاصل کرتی ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ اپنی نازک ہستی کیساتھ درخت کیلئے وبال جان بنجاتی ہیں مگر عام طور پر انکی زندگی ایسی بے حقیقت ہوتی ہے کہ بہت سے لوگوں کو ان کے نام بھی معلوم نہیں ہوتے اور یہ خزاں کے دور میں آکر اسی طرح پامال ہوکر رہجاتی ہیں۔"

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کوششوں کا نتیجہ بھی سعی لاحاصل ہوکر رہ جائے۔ ہماری فکر رسا نے بڑی جانفشانی کے ساتھ تخم ریزی کی ہے۔ اس کو خون جگر اور سیلاب اشک سے سینچا ہے۔ خدا کرے یہ پودا جم آیا ہے اس کا اُٹھان ایسا اُٹھان ہے جو حسن کی دنیا میں کم نظر نہیں ملتی۔ ہاں اگر اسکو اسطرح کہا جائے تو اولی اختر اع کہا جائیگا۔

جرائد علمی اور شائقین اسکی تربیت اور پتّے اس کے ادب اور پھول اس کے خوش رنگ اور پھل اس کے دنیا پسند اور نام اس کا شمع تجلی رکھا گیا ہے ہم نہیں کہتے کہ آپ اس کے خریدار بنیں بلکہ ضروری کہنا یہ ہے کہ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخوں میں بڑی آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوا کریگا اس میں چیدہ چیدہ غزلیں ۔ اخلاقی اور ادبی ۔ نصیحت آمیز مضامین ۔ عمدہ عمدہ چیستاں اچھے اچھے چٹکلے ۔ زود اثر نسخہ جات اور دلچسپ قصے و ناول وغیرہ شائع ہوا کریں گے جس سے ہر ملّت و مذہب کے اہل مذاق دلچسپی حاصل کریں گے ،

جب یہ پودا آغوش نظر میں پرورش پاکر پروان چڑھیگا تو اپنی بے حقیقت زندگی پر فخر حاصل ہوگا خدا جانے اس کی بیل کہاں تک پھلے اور کیسے کیسے شگوفے کھلائے اور جوان ہوکر کیا کیا رنگ و روپ لائے ۔ ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اس نوعمر اور کمسن نازپروردہ کو خدا دشمنوں کی نظر سے بچائے ،

ہم امید رکھتے ہیں کہ ناظرین ادھر توجہ فرماکر عزت افزائی بخشیں اور دعا کریں کہ خدا اس کو عمر خضری عطا کرے ۔ آمین ثم آمین "

علم کی دولت

یہ گردوں پہ کیوں ابر ہے آج چھایا　　　یہ کیا ماجرا ہو رہا ہے خدایا
یہ جھونکے نسیم سحر کیسے لائی　　　یہ گلزار میں کس نے گل کو کھلایا
یہ کیوں بلبلوں کے ہیں شاخوں پہ جھرمٹ　　　یہ کیوں قمریوں نے نیا راگ گایا
یہ کوئل جو کرتی ہے باغوں میں کوکو　　　یہ انداز مستانہ کس نے سکھایا
یہ کس نے نرالے ترانے سنائے　　　یہ کس نے جہاں کے دلوں کو لبھایا
یہ شوخی تھی کیسی یہ تھا کون چنچل　　　یہ بہروپیہ آج کیسا روپ لایا

قطعہ

یہی فکر تھی اور اسی سوچ میں تھا — مجھے ناگہاں یہ کسی نے سنایا
کہ ماں کی یہ جلوے ہیں علم و ادب کے — یہی سب کی دولت یہی سب کی مایا
مگر ایسی دولت ہے یہ دولتوں میں — بتا دے کوئی اسکو کس نے چرایا
اسے صرف جتنا کرو ہو یہ دونی — نہیں دیکھتی کچھ یہ اپنا پرایا
اسی کی عنایت اسی کا کرم ہے — اسی نے لکھایا اسی نے پڑھایا
اسی ہی کے تو آغوش میں آنکھ کھولی — اسی نے ہمیں لوریاں دیکر کھلایا
یہ کرتی ہے بچوں پہ کیا مہربانی — اسی نے سکھایا جسے کچھ سکھایا
محبت کریں چھوٹے بچے بھی اس سے — رہیں حشر تک سب کے سب زیر سایا
دعا گو کی یہ آرزو آرزو ہے — تو دے ذوق و شوق اپنا انکو خدایا
نوکر علم سے ان کے معمور سینے — کہ بچہ بچہ کہ الف سے ... پایا

ہوئی پرورش اس کے گھر کی بدولت
اسی واسطے یہ جہاں کی ہے دایا (ایڈیٹر)

بزم خیال

مصنف نے کمال فصاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کونسی عبادت زیادہ پسند ہے چونکہ ہر ایک کو اپنی اپنی عبادت پہ ناز ہوتا ہے اس لئے عبادت اسکو کہہ سکتے ہیں جس میں ریاکاری اور دکھاوا نہ ہو۔

نظم

شب تصور نے جو شمشیر ذرا تیز کیا — تو ... میدان میں ہمیز کیا

اشہبِ غور کو صحرا میں شباب خیز کیا — مرکبِ جوشِ تخیل کو جلو ریز کیا

لے گیا جانبِ افلاک مجھے قلبِ سلیم
میں یہ سمجھا کہ ہوں میں اوجِ ثریا پہ مقیم

غیب سے آئی صدا دیکھ خیالی محفل — دیکھ اس طرح کی ہوتی ہے بلالی محفل
اہلِ یثرب اسے کہتے ہیں بلالی محفل — دیکھ دیکھی ہے کبھی ایسی نرالی محفل

دیکھ اس بزم میں اربابِ وفا بیٹھے ہیں
دیکھ مستانے لبِ جوئے بقا بیٹھے ہیں

واں تھی بزم میں عشاق فدا بیٹھے تھے — صفِ صدق پہ اصحابِ صفا بیٹھے تھے
رہ نوردانِ رہِ ملکِ فنا بیٹھے تھے — محفلِ سوز میں پروانہ ادا بیٹھے تھے

بحث یہ تھی کہ عبادت کی حقیقت کیا ہے
اور خالق کو پسندیدہ عبادت کیا ہے

پہلے اس بزم میں کی مرغِ سحر نے آواز — اور کہا سنیے میسر ہے مجھے یہ اعزاز
میں موذن ہوں جگاتا ہوں پئے نماز — صبح خیزی سے ہوئی مری عبادت ممتاز

زخمِ دل سوزِ جراحت سے ہیں آلے مرے
شورِ محشر کا نمکدان ہیں نالے مرے

دلِ صافی کو ہلاتی ہیں ندائیں مری — گدگدی پہلو میں کرتی ہیں صدائیں مری
روشنی کرتی ہیں دنیا میں دعائیں مری — [illegible] ادائیں مری

چھیڑ دیتا ہوں جو مضرابِ نوا
چشمِ عالم میں ابلتا ہے انوکھا [illegible]

شمع روی کہ عبث کیوں ہیں دکھائی دیتا — ہم کو اونچا نہیں گستاخ سنائی دیتا
نہیں مغرور کو اتنا بڑائی دیتا — تجھ میں جو کچھ ہے وہ ہی صاف دکھائی دیتا

ہم کو بھاتا نہیں اک آنکھ تماشا تیرا
تو جو اچھا ہے عبث دل شکنی کرنا تیرا

کُشتہ پر دیکھ مجھے اور عبادت میری
ساتھ پروانوں کے کر آئے زیارت میری

تا کہ روشن ہو ذرا تجھ پہ مصیبت میری
رات بھر بزمِ جہاں میں ہے حکایت میری

رختِ ہستی تو بصد شوق جلایا میں نے
سامنے غیر کے پھر سر نہ جھکایا میں نے

تو سلامت ہے تو انگشتِ شہادت کیا ہے
مجھ سے سیکھے کوئی اخلاقِ ریاضت کیا ہے

سوز کیا چیز ہے اور سوز کی طاقت کیا ہے
نورِ توحید ہی کیا نور کی قدرت کیا ہے

ہم کے بیخود جو خودی اپنی جلا دیتے ہیں
ایک عالم کو وہ پروانہ بنا دیتے ہیں

شیوہ شرم نہیں شرم سے مجبور ہوں میں
لاکھ خاموش ہوں پر نور سے معمور ہوں میں

بزم افروز ہوں میں صاحبِ مقدور ہوں میں
طور نازاں مری شہرت پہ ہے مشہور ہوں میں

بدل ہر بزم میں رونق کا ہے بالا تجھ سے
اور شبِ تار میں ہوتا ہے اجالا تجھ سے

سر پہ آپہنچا اُٹھو اب آفتابِ زندگی

خاتمہ پر آگیا دورِ شبابِ زندگی
جانبِ مغرب چلا ہے آفتابِ زندگی

خضر کی تقدیر میں لکھا تھا آبِ زندگی
پینے والا پی گیا جامِ شرابِ زندگی

بلبلہ کو نافہ کا حال سارا کھل گیا
پوچھنے جائیں کہاں تعبیرِ خوابِ زندگی

عہدِ پیری میں خدا کی یاد کر لو غافلو
سر پہ آپہنچا اُٹھو اب آفتابِ زندگی

آجتک صحرا میں پھرتا ہے بھٹکتا دربدر
خضر کو اچھی ملی راہِ صوابِ زندگی

ہم کہاں ہوں گے کہاں ساقی کہاں یہ بزم عیش　　　جس گھڑی ساغر سے جب چھلکی شراب زندگی
خفتگان خاک کو دھوکا قیامت کا نہ ہو　　　سو بجائے نہ آواز حباب زندگی
خوش رہو جب تک رہو دنیا میں یاران چمن　　　ہم تو پوری کر چکے اپنی کتاب زندگی

عالم پیری میں شوکت کام عقبیٰ کے نہیں
یاد آ جائے اگر عہد شباب زندگی　　　(ایڈیٹر)

بے۔ بی۔ شو

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

دہلی کلاؤن۔ میں ۲۵ مارچ سنہ ۳۶ء کو نمائش اطفال گنیا پاٹ شالا میں بڑے زور شور کے ساتھ ہو گئی۔ مہتممان صاحبان نے اُس مقام کو اس قدر آراستہ و پیراستہ کیا تھا جس سے باغ رضوان کی آنکھ جھپکتی تھی ہر طرف سبزہ زار قدوم بہار سے گلزار تھا ڈالی ڈالی پر تشدید و قمری و بلبل کا شور تھا چکاوک کا لحن عاشقانہ و بلبلوں کا ترانہ افسردہ دلوں میں جان ڈال رہا تھا جس طرف نگاہ جاتی تھی گل و گلزار نظر آتا تھا ڈالیاں مارے خوشی کے جامے میں پھولی نہیں سماتی تھیں۔ باغبان حقیقی نے کچھ اس شان سے اُن کی نشو و نما کی تھی کہ نسیم سحر جا بجا عطر ریزی کرتی پھرتی تھی جس کی خوشبو سے عالم کا دماغ معطر ہو جاتا تھا۔ ہر روش پر صبا کا اٹکھیلیاں کرنا دامن ناز گل حسرت سے کھینچنا اس ادا کی کرشمہ تھا۔ چپہ چپہ سے صدائے آفریں بلند تھی کہیں بیلا کہیں چنبیلی کہیں سوتیا کہیں رات بیل البیلی۔ کہیں نرگس نے اپنی آنکھوں کو فرش راہ بنا رکھا تھا طرف لالے کی کیاریاں اُسی سبزہ زار میں لہلہا رہی تھیں سوسن سے مستی نادیدہ لب کے باہر زبان نکالے ہوئے فریب دہ فقرے تراش رہی تھی کبھی گل شگفتہ کی تنہائی مسکرا کر طرح کہتی تھی

یہ دن یہ سن یہ ادائیں یہ ولولے یہ شباب

بلائیں لے کے میں ہو جاؤں اس جوانی کی

بن گیا تھا گویا خطۂ کشمیر تھا جس کے ذرے ذرے نے قسم قسم کی پوشاکیں اپنے نازنین پر آراستہ کی تھیں نونہالان بہار نے اپنے خیمے چمن گلزار میں عجب ترتیب سے نصب کئے تھے جس میں ہر طرف کرسیوں کی قطاریں موجود تھیں بچھی ہوئی تھیں جو اپنے اُونچا جا بجا گر رکھے اور کچھ خوشنما ڈیوا کے جھنڈ اُن کے گرد اگرد لگے ہوئے تھے۔ اپنے اپنے گھروں سے چھوٹے چھوٹے بچے نئے لباس فاخرہ زریں و زرنگار پہن کر زیب تن کئے ہوئے بڑی شان و شوکت کے ساتھ نمائش میں چار چاند لگا رہے تھے نگاہیں جس طرف اٹھتی تھیں عجیب و غریب منظر نظر آتے تھے۔ یہ جلسہ ایک علم و ادب کا جلسہ تھا جس میں بہت سے بچوں کو انعام دئے گئے اور بہت سے غریب لاوارث بچوں کے کپڑے وغیرہ سے برہنگی کی اُن کے جسم کو لباس ستر سے ڈھانکا گیا علاوہ ازیں بچوں کی تندرستی اور بہبودی کا لحاظ بھی رکھا گیا تھا اور دو روز متواتر مشاعرہ بھی ہوا جس میں چیدہ چیدہ غزلیں پڑھی گئیں اور چند نظمیں بے بی شو کے متعلق ہوئیں لیکن پہلے روز سب سے بہتر اور سب سے عمدہ نظم بہبودیٔ اطفال کے واقعات سے مرصع کی ہوئی جناب ریحہ صاحب نے بعد مشاعرہ کے فرمائی جس کا ہر شعر ہر صاحب اولاد کے لئے اثر پذیر تھا اس نظم میں خاص خوبی یہ تھی کہ کوئی شعر بچپن سے خالی نہ تھا۔ عہد طفلی کو عجیب نمونے سے زیور فصاحت سے مرصع کیا تھا آپ کے پڑھنے کی جسقدر تعریف کی جائے کم ہے

پہلے دن کا مشاعرہ بارہ بجے شب تک رہا دوستان مذاق سخن خوب محظوظ ہوئے دوسرے دن مشاعرہ خیموں کے اندر ہوا لیکن پہلے دن سے دوسرے دن مجمع کم تھا ؎ حضرت دل گئے سب کام خطا کے تم نے

ہے۔ بے شو کے متعلق بہت سی ہستیاں خلاف تھیں جو اسمیں شرکت کرنا کسرشان یا باعث ذلت سمجھتی تھیں لیکن اُنکے دلونکے اندر پوشیدہ طور سے دریائے شوق جوش زن تھا جسوقت چند نامی ہستیوں کے آنیکی خبر سنی شرکت کیلئے اُن کے دل نے اُن کو مجبور کیا۔

ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ اس نمایش کو کامیاب بنانا چند صاحبان کا کام تھا جنکے نام نامی یہ ہیں۔ مسٹر ایچ ایس۔ راس صاحب کلکٹر بہادر ضلع۔ و پنڈت چندر موہن ناتھ صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر ضلع۔ و مسٹر جے ایم چیٹرجی صاحب بیرسٹرایٹ لا جنرل سکرٹری نمایش و بابو ہنومان پرشاد رائے صاحب اسسٹنٹ سپرینٹنڈنٹ سروے آف انڈیا۔ پنڈت آنند نرائن صاحب رئیس وکیل دہرہ دون و پنڈت دوارکا ناتھ صاحب رئینہ و جناب سید محمد رضا صاحب قانونگو وغیرہ وغیرہ

ابھی دہرہ دون میں نمایش اطفال جسقدر کامیاب ہوئی شاید کہیں ہوئی ہو (ایڈیٹر)

عید

از جناب مولوی محمد عبد الرحمن صاحب

ایک مغربی حکیم کا مقولہ ہے کہ دنیا ایک تماشہ گاہ ہے جہاں مختلف آدمی مختلف ذائقہ انجام دے رہے ہیں ہم جب اس مقولہ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گو ہماری عملی زندگی ایسی ہو مگر یہ زرین اصول درحقیقت ہمارے ہی خزانہ کا بیش بہا جوہر ہے۔ کبھی ہم خوشی سے متاثر ہوکر نہال نہال ہو جاتے ہیں۔ کبھی رنج کے شکنجے میں پڑکر دنیا سے بیزار۔ مگر نہ اس خوشی میں قیام ہوتا ہے نہ اس رنج میں اگر خوشی کیوقت یہ اندیشہ بھی ساتھ ہی کہیں کہ ممکن ہے خوشی کی تہ میں کوئی رنج پوشیدہ ہو یا رنج کے وقت یہ سوچ لیں کہ شاید اسکے بعد کوئی خوشی میسر آنیوالی

اپنا پورا اثر کیسے نہ ہو رنج اور اسکا لازمی نتیجہ ہمارا یقین ہو جاتا ہے کہ درحقیقت دنیا ایک تماشا گاہ ہے جہاں ہم کبھی ہنستے ہیں اور کبھی روتے ہیں - دائم رہنے والے نہ یہ قہقہے ہیں نہ آنسو لیکن اپنی زندگی کے ختم پر ہم کو ان دونوں کا اثر دنیا میں چھوڑ جانا ہے جب دوسرے اک نتیجہ نکال کر ہماری زندگی کی بابت فیصلہ کرینگے اور خود ہماری زندگی فنا ہو جانے کے بعد ہم کو ایک دوسرے مقام پر اچھا یا برا بدلہ ہمارے اثرات کا دیگی -

رمضان المبارک کی آخری تاریخ کی شام کو جب آسمان پر وہ چاند چمکا جو ہر سال میں بارہ مرتبہ اسی طرح چمکتا ہے تو ہر دیکھنے والی آنکھ نے اس میں وہ خوشی کی جھلک دیکھ لی جو ہر مسلمان کے پاس پیغام عید بنکر آئی بہتوں نے یہ رات مکان کی صفائی - گھر کی درستی - زیور کی آراستگی اور عید کے انتظام میں بسر کی ، بچوں نے خوشی کے مارے کہ صبح عید ہے رات کا بڑا حصہ آنکھوں میں کاٹ دیا اور آخر کار وہ اذان بھی ہمارے کان میں پہنچی جس نے صبح کی خبر دی اور وہ آفتاب بھی ہمارے سر پر چمکا جس نے روز عید کی اطلاع تمام روئے زمین کو دیدی یہاں تک کہ عید کا دن اور رات کھانے پینے - بولنے ملنے جلنے اور اچھلنے کودنے میں ختم ہو گئے اب اگر زندہ رہے تو پھر ایک سال بعد یہ دن اور یہ رات دیکھ لیں گے - مگر عید خوشی کے ڈھیر میں آواز بلند کچھ اور ہی کہہ رہی تھی - مگر ہم کو بہت بڑا سبق دیگئی پہلی تاریخ کے خیال میں جب مسرت کا آدھا حصہ یعنی روز عید ختم ہو چکا اور باقی نصف یعنی شب عید باقی تھی تو یہ الفاظ صاف پڑھے جا رہے تھے -

عید کی خوشی منانے والو بہت بڑے شکریہ کا مستحق ہے وہ زبردست قدرت والا جس نے تم کو اپنے عزیزوں کی سلامتی اور اطمینان کی حالت میں دن دکھایا کیا تم نے عید کے چوبیس گھنٹوں میں وہ صورتیں نہیں دیکھیں جو بندہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے برابر اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہاری برابر خوشی کی مستحق

نہیں۔ مگر انکی حالت خستہ اُن کے چہرے افسردہ اُن کے دل پژمردہ تھے۔ اُنکی صورتوں کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اور ہر وقت اُس کے شکر گزار رہو جس نے تم کو عید کی خوشی نصیب کی کسک اور کھٹک سے کے عطاف پائی۔

کیا تم نے اُن بچوں کو نہیں دیکھا ہے کہ جن کے سر پر باپ کا سایہ نہ تھا۔ اُنکی خوشیاں پوری کرنے والا اُنکا دل رکھنے والا اُن کے چاند سے چہروں کو چومنے والا وارث رخصت ہو گیا۔

وہ بھی تمہارے ہی جیسے بچے ہیں اُن کی حالت اور مصیبت فراموش نہ کرو اور شکر ادا کرو اُس کا جس نے تم کو ایسی مصیبتوں سے محفوظ رکھا۔ کیا تم نے اُس بیوہ کی صورت نہیں دیکھی جو علی الصباح اس توقع پر تمہارے پاس آئی تھی کہ تم اُس کو صدقہ نذر دو تو وہ اپنے بال بچوں کو بھی عید کی خوشی میں شریک کر دے۔ اُس کے پہلو میں بھی وہی دل تھا۔ جو تمہارے پہلو میں ہے اوسکو ہمیشہ یاد رکھنا۔ اور شکر ادا کرنا اُس حاکم الحاکمین کا جو ہمیشہ تم کو اس حالت سے بچاتا رہا ہے۔

غربا کی عید

از جناب حضرت عرفان رضوی

چاروں طرف ہے عید کہ دیکھا ہلال عید ۔۔۔ خوش ہیں کہ ہونیوالا ہے کل کو وصال عید
باعث ہے حزن کا بلا شک ہلال عید ۔۔۔ لیکن رُلا رہا ہے کسی کو خیال عید
پہنے لباس فاخرہ پھرتے ہیں مالدار ۔۔۔ دل میں سما گیا ہے کسی کے ملال عید
بچے کہیں بلکتے ہیں پوشاک کے لئے ۔۔۔ یہ آرزو ہے دل میں کہ ہوئیں نہال عید
کہتے ہیں والدین یہ انسے بصد ہراس ۔۔۔ گھر میں نہیں ہے کھانیکو کیسا خیال عید
امسال تو نہیں مگر آئندہ سال کو ۔۔۔ تم پہن لینا کپڑے اگر ہے خیال عید

بہلاتے اس طرح سے ہیں بچوں کو ہیں غریب ... ان کے لئے ہے ماہ محرم ... [illegible]
پژمردہ ہیں یہ حال پریشان حال ہیں ... انکو منا سکے یہ کہاں ہے مجال عید
فاقہ کی سختیوں نے جنہیں کردیا نڈھال ... ملتا نہ رزق اُن کے لئے ہے ... [illegible] عید
جو ہیں امیر لوگ ذرا غور تو کریں ... بے کس کا یہ بیان ہے کس کو ملال عید
اترا رہے ہیں روزہ خوشی پر نہیں ذرا غور ... یہ مانا کوئی عید نہیں ہے مثال عید
اپنے غریب بھائیوں پر بھی ہو اک نظر ... بہتر نہیں ... [illegible] تو انکو خیال عید
ہر خورمی کے وقت میں انکا بھی ہو خیال ... واللہ ہو سنوں ... [illegible] ہے جمال عید
ہوتے نہیں جو رنج میں انکے شریک حال ... ہوگا خدا نخواستہ تا ... [illegible] زوال عید
بھائی ہمارے رنج و الم میں ہیں مبتلا ... عرفان ہمارے کیا بھلا ہم کو جمال عید

ضروری اطلاع

ہمارے نامہ نگار شمع تجلی کے لئے ماہ بماہ مضامین نظم و نثر و لطائف و جذبات صاف صاف لکھکر بھیجتے رہیں۔ ہم طرح کا مصرعہ بھی ماہواری مشاعرہ کے لئے درج گلدستہ کردیا کریں گے۔ مضامین ۱۰ تاریخ تک دفتر میں آجانا چاہئیں۔ انتخاب کسی کی رعایت کئے بغیر کیا جائے گا۔ جو صاحب انتخاب کے علاوہ گیارہ شعر سے زیادہ شائع کرانا چاہیں گے اُن کو اُجرت دینا ہوگا۔ (ایڈیٹر)

نوآموز شعراء

کی حوصلہ افزائی ہمارا فرض ہے۔ ان حضرات کو چاہیئے کہ ضرور کسی اُستاد سے مشورہ لیلیا کریں ورنہ انتخاب کمیٹی سے کسی قسم کی شکایت فضول ہوگی یہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص بلند پرواز بننا چاہتا ہے لیکن نوآموز شاعروں کو ہزاروں مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ

ادب اُردو کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں تو اُن کو چاہیئے سیدھے سادے مضمون نظم کر لیا کریں۔ (ایڈیٹر)

مذہب کی عظمت

اچھا نہیں کچھ درد کسی سے کہنا لازم ہے جفا و جور دشمن سہنا
ثابت ہے اوج راہ اُلفت پہ قدم مذہب سے کسی وقت نہ غافل رہنا

آہِ مظلوم

ظالم کے شب و روز ستم سہتے ہیں دُکھ درد کسی سے نہیں ہم کہتے ہیں
مظلوم کی آہ رنگ لائے گی ضرور ہر دم روتے ہیں پُر الم رہتے ہیں

(حضرت اوج)

مغرور ہستی

غافل تو کسی کے نہ بُرے حال کو دیکھ بگڑی ہوئی باتوں کو نہ افعال کو دیکھ
معیوب ہے تو غیر کے عیبوں پہ نہ جا سر ڈال گریباں میں اعمال کو دیکھ

زخمی دل

داغوں کا بندھا جو زور ہم نے دیکھا زخموں میں رہا جو چور ہم نے دیکھا
ناصور پڑا جگر میں ناصور میں داغ یہ چور کے گھر میں مور ہم نے دیکھا

(ایڈیٹر)

مُرقع ادا

بیہوش ہوئے جب تری صورت دیکھی نقشے میں ترے خدا کی قدرت دیکھی
رفتار ہے فتنہ خیز باتیں جادو ہر اک ادا تری قیامت دیکھی

بخت بیدار

تقدیر پھری عیش کے سامان ہوئے — پورے ہوئے دل جتنے بھی ارمان ہوئے
کٹ کٹ گئے اغیار حسد سے اے رمز — وہ آ گئے مرے گھر جو مہمان ہوئے

انعامی دُنیا

جو حضرات ہمارے کسی معمّہ کو حل کر کے بھیجیں گے۔ ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج دیں اُن کو
دو کتابیں دفتر سے بھیجی جائینگی۔ بشرطیکہ معمّہ صحیح حل کیا ہو (ایڈیٹر)

چیستان نمبرا

چیست آں جانور دو سر دارد — از دو سوراخ سر برون آرد

(۲)

برادر من دیروز درباغ شمار رفتہ بودم۔ باغبان پر پیش من آمد
یافتم۔ از من خندق نہ رفت

(۳)

ایک نار بھونرا سی کالی۔ کان ہاتھیں پر پہنے بالی۔ ناک ہاتھیں پر سونگے پھول
جتنا عرض اتنا ہی طول

(۴)

بنتا ہے پانچ حرف ملانے سے میرا نام — رہتا ہوں سر فروشوں کے ہمراہ صبح و شام
کٹ جائے سر مرا تو بنوں میں صلاح کار — مل جائے سر تو پاؤں شہ شیر بیشے کا
ناخن بنے فقط سر و گردن اگر رہیں — ہو صرف قطع ہو تو فقط شیر ہے

سردار ہوں اگر سر و سینہ کرو قلم
سو ٹکڑوں ٹکڑوں کی ہو سر و گردن ہوں گر بہم

کر دو اگر جدا کمر و پا تو بیگیاں
روشن ہو میرے نور سے دم بھر میں یہ جہاں

مجھ کو الٹ دو گر سر و گردن تراش کر
ہو جائے پھر مرا گل رخسار پر گزر

سینے سے سر ملے تو عدد ہو شمار کا
اے رمز مجھ کو ڈھونڈو تو کیا چیز ہوں بتا

(رمز صاحب مرادآبادی)

ظرافت نمبر ۱

ایک جنٹلمین اپنے کمرے میں کھڑے ہوئے آئینہ میں منہ دیکھکر شیو کر رہے تھے ناگہاں ہاتھ کی تھرتھرش ہوئی پیشانی پر صابن کی رٹن سے استرا پھسلا تو ناک کے پورے کو کاٹتا ہوا پاؤں کی انگلی کو اڑا دیا۔ اضطراب کی حالت میں ناک کا ٹکڑا انگلی پر اور انگلی کا ناک پر جما لیا۔ اب جو صاحب بہادر کو ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوا کرے گی۔ تو فل بوٹ کھولنا پڑا کرے گا۔

(۲)

ایک کابلی خان نے کھانے کے وقت اپنے نوکر سے کہا کہ رکابی دو کر کے لے آؤ۔ نوکر ظرف گلی کو پرانا سمجھکر دو کر کے لے گیا خان صاحب نے اپنی زبان پر افسوس کر کے اور نوکر کی طرف دیکھکر تبسم کیا۔

(۳)

ایک طالب علم مدرسہ میں پڑھتا تھا اتفاقاً اس نے کسی سے سن پایا تھا کہ خدا حساب پوچھیگا اس دن سے اس نے اردو ہندی فارسی۔ انگریزی سب چھوڑ دی۔ ایک روز اس کے باپ نے پوچھا کہ بیٹا سبق تو سناؤ تو عرض کیا کہ ابا جان کتابیں وغیرہ پڑھنا تو سب چھوڑ دیا۔ باپ نے کہا کیوں جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ خدا سوائے حساب کے کچھ اور نہ پوچھے گا باپ یہ سنکر خاموش ہو رہا۔

مشاعرہ نمائش اطفال

دہرہ دون - ۲۹ر مارچ سنہ ۲۴ء

مصرع اوّل :- سلام زخم بسمل خنجر قاتل سے کہنا ہے

بلیغ الکلام جناب پنڈت دوارکا ناتھ صاحب رینہ

بسمل آب خنجر کھل گئی ابرو کے صدقہ میں
یہ مژدہ تشنہ لب شگفتہ جان بسمل ہی کہنا ہے

بھری بیٹھی تھی رو دی شمع یہ کہکر سحر ہوئی
جلایا رات بھر مجھ کو بھری محفل ہی کہنا ہے

حسینو! شوق جانبازی کی جو کچھ قدر کی تم نے
نہ ہیب حال ماضی شور مستقبل ہی کہنا ہے

کہا تم نے سنا ہم نے یقیں لائیں تو کیا لائیں
وہ کہنا اور کچھ ہے نام حسن کامل ہی کہنا ہے

بہت دیکھا تماشا کار دنیا کار دنیا کا
نہ اب ظالم کی تمنا ہی نہ کچھ عادل کہنا ہے

جہاں کے پھیر سے بچکر در مقصد پہ جا نکلیں
نکالے راہ کوئی بدی کامل ہی کہنا ہے

نگاہ لطف کر جس سے رواں ہوں فیض کے چشمے
رہے چشم کرم چشمان نہ یا دل ہی کہنا ہے

کیا ممنون احسان اب تڑپنے کے مزے آئے
سلام زخم بسمل خنجر قاتل ہی کہنا ہے

مجدد الشعراء ابو المعانی منشی محمد خورشید علی صاحب منشی فاضل مرادآبادی

گلے ملکر ترے خنجر کو جو بسمل سے کہنا ہے
وہ راز عشق ہے درپردہ جو مائل سے کہنا ہے

ہوئی جاتی ہے اب آساں ہم آتے ہیں ہم آتے ہیں
پئے تسکین تمہیں اتنا تو ہر مشکل سے کہنا ہے

نشان کارواں کچھ دو کہ میں گم کردہ منزل ہوں
یہ اے رہرو تجھے ہر جادۂ منزل سے کہنا ہے

پھنسایا ہے دل آشفتہ کو کیا کیا بلاؤں میں
رخ روشن تو دکھلا دو یہ اُسکے تل سے کہنا ہے

دیا میں نے کسی کو دل تو بگڑا کیا بھلا تیرا
مجھے یہ آج اپنے ناصح عاقل سے کہنا ہے

پہنچتا ہے غبار دشت جو اڑ کے پردوں تک
پیام قیس شاید یہ وہ محمل سے کہنا ہے

ذرا اپنے رخ روشن سے برقع کو الٹ دیجئے — مقابل کر کے مجھ کو کچھ مہ کامل سے کہنا ہے
ہجوم حشر میں یہ کہہ رہی ہے رحمت خالق — ذرا رستہ تو دو کچھ عاصی قابل سے کہنا ہے
نکال ایسی کوئی طرز ادا جو کارگر نکلے — کہ تیرا حال اے دل آج اس غافل سے کہنا ہے
یہی ضد ہے تو ہو جائیں ابھی سینکڑوں پردے — نگاہ شوق کو یہ پردہ حائل سے کہنا ہے
جہاں پر جا ملیں موجیں اسی طرف جائیں کشتی کو — مجھے اے رمز یہ جوئندہ ساحل سے کہنا ہے

جناب ڈاکٹر شوکت حسین صدیقی اڈیٹر رسالہ ہذا مرادآبادی

نہ کچھ خنجر سے کہتے ہیں نہ کچھ قاتل سے کہنا ہے — ہمیں تو حال اپنی بیکسی کا دل سے کہنا ہے
دم نزع ہے کیسی چھیڑ کیا غافل سے کہنا ہے — کہو جلدی کہو جو رہرو منزل سے کہنا ہے
بڑا ہی لفظ دشوار ہے لب تک بھی نہیں آتا — نہ پوچھو کہنے والوں سے کہ کیا مشکل سے کہنا ہے
بہت بے چین ہے کمبخت رہ رہ کے نہیں کہتا — دل حسرت زدہ کو جانے کیا قاتل سے کہنا ہے
لگایا تیر اس انداز سے ظالم نے سینے پر — جگر تڑپا تو فرمایا ابھی کچھ دل سے کہنا ہے
گلے سے مل لیا پھر بھی ترا خنجر نہیں ہٹتا — ارے قاتل اسے کیا اور کچھ بسمل سے کہنا ہے
مئے انگور پینا حضرت زاہد سے سیکھیں گے — کہیں گے ہم کو جو کچھ مرشد کامل سے کہنا ہے
مقابل آئینہ ہے عکس سے آنکھیں نہیں ملتیں — خدا جانے ابھی قاتل کو کیا قاتل سے کہنا ہے
سر بالیں وہ فرماتے ہیں ہٹ جائیں تماشائی — ہمیں کچھ حال اس بیمار اس غافل سے کہنا ہے
کسی پردہ نشیں کا ہجر ہے اور دل میں کڑھتے ہیں — ہمیں راز نہانی گریۂ باطل سے کہنا ہے
تمہیں ہر ہر ستم کے بعد آتی ہی جفا کرنی — ہمیں اک مختصر سا حال بھی مشکل سے کہنا ہے
کہیں ایسا نہ ہو شوکت کو ظالم چین آجائے — تسلی بخش فقرہ کیا تجھے بسمل سے کہنا ہے

جناب منشی محمود شیر خاں صاحب طبیب میرٹھی تلمیذ حضرت احسن مارہروی

لب حسرت سے کہنا ہے زبان دل سے کہنا ہے — ہمیں لفظ تمنا آج کس مشکل سے کہنا ہے
خبر تک بھی نہ لی دل لے کے جس نے وائے ناکامی — ہمیں پھر مدعا دل اسی غافل سے کہنا ہے

جاں دوش ہے سر او مشتاق شہادت ہوں
یہ عجز و انکساری آج یہ قاتل سے کہنا ہے

نہیں آسان کچھ اظہار الفت سخت مشکل ہے
ہمیں یہ جانتے ہیں اس سے جو مشکل سے کہنا ہے

جلائیں گے کہیں دل اور اب مانند پروانہ
ہمیں جا بیٹھ پہلے بانیٔ محفل سے کہنا ہے

ٹھہر جائیں ہماری ناتوانی دیکھتے جائیں
ہمیں یہ رفتگان کوچۂ قاتل سے کہنا ہے

تمہاری شکل سے آیا تھا نادان ادعا کرنے
سفیدی چھا گئی اب کیوں شمائل سے کہنا ہے

جناب حکیم اطہر الدین صاحب ناظرؔ

وہ بیخود ہوں نہیں معلوم کیا قاتل سے کہنا ہے
نہ اس سے وقعت قاتل کو گویا بسمل سے کہنا ہے

چھڑا دے اب غم دنیا سے مشتاق شہادت کو
اڑا دے سر مرا جیسے خنجر قاتل سے کہنا ہے

مزاحم بات میں کچھ غیر ہے کچھ رعب ہے انکا
بڑی مشکل کا کہنا ہے بڑی مشکل سے کہنا ہے

طنابیں تیری توڑے گی یہ میری خواہش وحشت
شکستہ پائی گو یہ دوری منزل سے کہنا ہے

کسی دن تو زمام ناقہ سوئے نجد بھی کر دے
خوشامد کر کے اتنا ساربان محمل سے کہنا ہے

اجازت دے کہ ترکش سے نکل آئے وہ پہلی میں
ترے پیکاں کے ناوک کو اگر کچھ دل سے کہنا ہے

جو آکر مرکو الٹ جائے مقدر میرا سیدھا ہو
صبا پیغام اتنا پردۂ حائل سے کہنا ہے

مرادیں زیست میں جتنی ہیں وہ احسان مانیں گے
بصد کوشش ہمیں یہ سعی لاحاصل سے کہنا ہے

تری خدمت حفاظت ہے جہاں سے گردش کی
یہ ناظر کو کسی کے مرغ کے قاتل سے کہنا ہے

مشاعرہ نمائش اطفال

ڈیرہ دون - ۳۰ / مارچ سنہ ۴۲ء

مصرع طرح دویم :- بزار خزاں ٹپکتا ہے رنگ بہار سے

جناب مسٹر اختر حسین صاحب اختر مرادآبادی تلمیذ حضرت شوکت صاحب مرادآبادی

لذت عجب ملی ہے ہمیں کردگار سے
جنت کو آج اٹھ کے چلے ہیں مزار سے

رحمت پہ عاصیوں کو بھروسا ہے اسقدر
محذور قصور کر نہ سکے کردگار سے

اللہ جانے کس لئے خاموش آج ہوں
وہ کیسے پوچھتے ہیں کوئی بیقرار سے

آئے وہ فاتحہ کو تو بولی یہ بیکسی
کیا مانگتے ہو ہاتھ اٹھا کر مزار سے

اللہ رے نصیب زمانہ ہے بدگماں
دیکھوں میں اب کے ٹھہرا اعتبار سے

ظالم نے سر اُتار کے یوں کاٹ لی زباں
کچھ دل کا حال کہہ نہ سکوں کردگار سے

بت اور دل میں بس گئے اللہ تیری شان
کعبہ بنا دیا اسے اجڑے دیار سے

آئے تھے روندنے کو وہ یہ سوچکر رُکے
لپٹی نہ بیکسی ہو کسی کے مزار سے

اختر میں اپنے داغ جگر سے ہوں بیقرار
یہ پھول دیکھنے کے ہیں چبھتے ہیں خار سے

جناب منشی اکرام علی صاحب اکرام دہرہ دون

داغ جگر جو جلوہ کناں قبر میں رہے
امید اسقدر تو نہ تھی اس بہار سے

جناب بابو ممتاز حسین صاحب حقیر دھرہ دون

ہیں بد حواس پریشان حال ہوں
چھینا ہے صبر کس نے دل بیقرار سے

جناب ماسٹر گل محمد صاحب بسمل دہرہ دون

نکلا کبھی نہ طائر دل زلف یار سے
چھوٹی نہ جان زار کبھی انتشار سے

بعد فنا جو آ گئی اُس بت کو میری یاد — وہ پالیٹ کے در مرے مزار سے

وہ دل جلا ہوں بعد فنا اپنی قبر کو — روشن کروں چراغ دلِ داغدار سے

اے شیخ خوف کیا تجھے نارِ جحیم کا — میں جل رہا ہوں سوزِ غمِ ہجر یار سے

آیا یہ کون گور غریباں پہ ناز سے — لاشے تڑپ کے آ گئے باہر مزار سے

جناب رئیس مشیت اللہ صاحب تاباںؔ ڈرائنگ ماسٹر دہرہ دون

سو بار پی کے توبہ کی سو بار توڑ دی — زاہد کا دل بھرا نہ مئے خوشگوار سے

جناب منشی جمیل الاختر صاحب جمیلؔ مراد آبادی

اُٹھتا نہیں نقاب اُدھر روئے یار سے — بیتاب ہوں اِدھر میں دلِ بیقرار سے

ہو کر غبار اٹھیں گے اب کوئے یار سے — مجبور ہو گئے ہیں دلِ بیقرار سے

صیاد ہوں رہا نہ اسیرانِ خستہ حال — لینا ہے کچھ خزاں سے نہ فصلِ بہار سے

پروانہ ہی سمجھ کے جلا دے وہ شمع رو — یہ لو لگائے بیٹھا ہوں پروردگار سے

کہہ کہہ یہ مجھ سے آہ پھری ہے سوئے فلک — میری طرح سے تو بھی نہ بیٹھے قرار سے

رونے بھی دو گلے کوئی آرزو ہو تو — پوچھو نہ حال آج کسی اشکبار سے

پورا ہوا نہ وعدۂ فردا کبھی جمیلؔ — ہم دیکھتے رہے نگہِ انتظار سے

جناب منشی عبد الحکیم صاحب حکیمؔ دہرہ دون مشورۂ جمیلؔ صاحب مراد آبادی

اتنے خفا ہوئے ہیں دلِ بیقرار سے — ہم کو حجاب آنے لگا چشمِ یار سے

دیدار کر سکے نہ دمِ مرگ ہم ترا — نکلی ہے جان نزع میں انتظار سے

آئی تو سب بجھانے کو تو آئے صبا مگر — دامن نہ جل اٹھے کہیں شمعِ مزار سے

آنکھیں یہ ہیں کہ ساغر گلشن کے سامنے — ساغر بھرے ہوئے ہیں مئے خوشگوار سے

قاتل سے برگشتہ ہے جو میری آرزو —

تو تیر یار دل پہ لگا تجھے قرار سے —

جناب منشی حسن احمد صاحب حسن عباسی امروہی حال وارد وہرہ دون

طفلی میں دیکھتے ہیں جو عمر رواں کا طور
رنگ خزاں ٹپکتا ہے رنگ بہار سے

عمر دو عطا ہے بزرگان قوم کی
شاعر ہوئے عنایت پروردگار سے

جناب عبدالحکیم صاحب حکیم حمید ابادی وہرہ دون

مجھ کو بتوں نے لوٹ لیا راہ عشق میں
کیونکر نہ داد چاہوں میں اُس کردگار سے

یہ شکر ہے کہ یار نے ہم کو بلا لیا
اخلاق سے پیار سے اور انکسار سے

تڑپتا ہے دل تڑپتا ہے سیماب کی طرح
نکلی مگر نہ آہ دل بیقرار سے

اللہ کی تلاش ہے تجھ کو اگر حکیم
پیری میں دل لگا نہ کسی بد شعار سے

جناب منشی اسمعیل صاحب خلیل دہرہ دون

جاتی ہے پھول دیکھ کے ہر گل کو یا عیاں
دل ایک سے لگائے یہ کہدو ہزار سے

آتے ہی فصل گل ہوئے زخم جگر ہرے
کیا گل کھلے ہیں فیض نسیم بہار سے

اے چشم فتنہ ساز تو کچھ حال دل نہ پوچھ
اچھا ہوں میں عنایت پروردگار سے

اک سرو قد کی یاد میں رویا ہوں اے خلیل
برسوں لپٹ کے سرو لب جوئبار سے

جناب مجدد الشعراء ابوالمعانی منشی محمد خورشید علی صاحب رمز منشی فاضل مرادآبادی

دنیا تباہ ہے نگہہ شرمسار سے
چالیں غضب کی آتی ہیں اس پردہ دار سے

مٹی میں مل کے بھی ہوئی پوری نہ آرزو
بچکر نکل گئے وہ ہمارے مزار سے

تیرے خرام ناز نے یہ بھی دکھا دیا
ہیبت تھی مرنے والوں کو روز شمار سے

اُٹھی نظر کو دیکھ رہا ہوں میں بزم میں
جو تیری شکل دیکھ رہے ہیں پیار سے

مر کر بھی چین سے نہ ہوا بیٹھنا نصیب
بنتے رہے بگولے ہی میرے غبار سے

ہم دونوں مل کے آج مچا دیں دلوں کی لوٹ
کہتی ہیں شوخیاں نگہہ شرمسار سے

وارفتگی نے توڑ دیں پابندیاں تمام
بیہوش ہے مزے میں رہا ہوشیار سے

دامن ہے چاک چاک گریبان ہے تار تار
آیا ہمارے ہاتھ یہ فیض بہار سے

تیر نظر کے کتنے نشانے اڑائے ہیں
چلتا ہے یہ سراغ دل داغدار سے

تصویر شہر کھینچ رہا ہوں نگاہ میں
آنکھیں لگی ہوئی ہیں کف پائے یار سے

دالستہ ہیں یہ انکی تلف قل شعاریاں
آگاہ ہیں دو دار قرار تیرے حال زار سے

بلیغ الکلام جناب پنڈت دوارکا ناتھ صاحب پیتہ ...

ہے خاک گر سحاب میں آب کرم نہ ہو
بنتا ہے کام ابر کے کیا گیہ گار سے

کیا شان عاشقی تھا دل ہی کہ جب
گل سے نباہی رسم رہی خار سے

تار نفس کے کار ہیں جو پہلے برق تھے
اب گر کے کام لیتے ہیں ... سے

دب جائے خاک فیض کا چشمہ ہوں ہوں
اٹھتا نہیں غبار کبھی آبشار سے

جناب ڈاکٹر شوکت حسین صاحب شوکت صدیقی مرادابادی ایڈیٹر رسالہ ...

دیکھا یہ کس نے وقت ستم مجھ کو پیار سے
دل بھی قرار ہے جگر بھی قرار سے

گل تو کھلے ہیں جنبش مژگان یار سے
لیکن کھٹک رہے ہیں ... خار سے

ہم مدعی کو دیکھتے ہیں یوں پیار سے
حسرت گلوں کی ... نکلتی ہے خار سے

بیٹھا کچھ اس ادا سے کلیجے میں تیر ناز
نالہ نکل گیا دل ... سے

تم کوئی داغ دو تو مرے دل کو چین ہو
تم کو بھی درد ... قرار سے

ٹھکرائے ادا سے نہ تربت شہید کی
لاشہ نکل نہ آئے ... مزار سے

ناکامیوں نے منہ سوئے داغ جگر کیا
... آج خزاں بھی بہار سے

ہم مست بے پئے ہیں اٹھا جام ساقیا
... ہم ہوئے ہیں ... شیشہ سے

ظالم مٹا نہ قبر کسی نامراد کی
دنیا کرے گی یاد ... یادگار سے

دل بھی نثار ہونے کو کہتا ہے جان بھی
دو نو نکل گئے ہیں ... انتظار سے

تو اس ادا سے پھیر گلے پر مرے چھری
میں بیقرار ہوں تو نہیں دل قرار سے

شوکت پسند طبع ہوئے جو جہان میں
جو مرجھا چمن سے ہوئے چمن روزگار سے

جناب مرزا مظفر بیگ صاحب شوق دہیرہ دون

جس دم مری نگاہ لڑی چشم یار سے
ارمان تڑپ تڑپ کے ہوئے بیقرار سے

زلفیں اٹھیں جو وقت سحر روئے یار سے
رنگ خزاں بدل گیا رنگ بہار سے

وہ آئے فاتحہ کو تو کیں فتنہ خیزیاں
زیر مزار بھی نہ رہے ہم قرار سے

آیا ہے نامراد کوئی صحن باغ میں
رنگ خزاں ٹپکتا ہے رنگ بہار سے

سوز تپ الم نے عجب حال کر دیا
شعلے نکل رہے ہیں دل بے قرار سے

اللہ جانے کونسی یاد آگئی دم فاتحہ
روئے لپٹ لپٹ کے وہ میرے مزار سے

نخوت پسندیاں نہ گئیں وقت فاتحہ
دامن بچا لیا مری مشت غبار سے

اے شوق کون آج ادھر سے نکل گیا
کس نے اٹھا دیا مجھے خواب مزار سے

جناب منشی محمود شیر خان صاحب طبیب میرٹھی وارد حال دہرہ دون تلمیذ حضرت احسن مارہروی

واقف ہو کس طرح وہ مرے حال زار سے
جو آشنا نہ ہو ستم روزگار سے

آئے تو دور دور رہے وہ مزار سے
نفرت ہے اسقدر مرے مشت غبار سے

کیا چھو گئی ہے گوشۂ دامان یار سے
کتراتی ہے ہوا مری مشت غبار سے

لی ضعف نے نہ زور جنوں سے کوئی مدد
الجھے ہوئے ہیں ہاتھ گریباں کے تار سے

ایذا پسند صحرا الفت ہی میں دل رہا
پائے وفا آبلوں نے مرے نوک خار سے

چہرہ اداس بال پریشاں کئے ہوئے
شاید عدو سے آئے ہیں وہ سوگوار سے

وسعت دہن میں وصل کے اقرار کی نہیں
حق نے لیا ہے کام ترے اختصار سے

اے آفتاب چرخ نہ کر اس سے ہمسری
واقف نہیں تو میرے دل حال زار سے

یہ انقلاب دہر کی زندہ مثال ہے
رنگ خزاں ٹپکتا ہے رنگ بہار سے

اس کشمکش سے کاش اجل آ کے دے طبیب
دل مجھ سے میں ہوں تنگ دل بیقرار سے

جناب منشی محمد عباس حسین خاں صاحب عباسؔ تلمیذ مولانا نظیر صاحب روڑکی

آتی ہے بوئے مشک نسیم بہار سے
بے شبہ ہو کے آئی ہے یہ کوئے یار سے

کام آئی جان بارے مگر نام ہو گیا
ناکام کوہکن نہ پھرا کوہسار سے

امیدوار تیرے کرم کا ہوں اے کریم
سب کے گناہ ہو گئے باہر شمار سے

صغرا کا ہو بیمار شفا یاب ہوں دبیر
عباس کی دعا ہے یہ پروردگار سے

جناب منشی الطاف حسین صاحب عالمؔ مرادآبادی تلمیذ حضرت رمزؔ صاحب مرادآبادی

کرتا ہوں ہجر میں یہ دعا کردگار سے
ہو لا مرے کبھی نہ رہوں میں قرار سے

جینے کی کچھ خوشی ہے نہ مرنے کا کوئی غم
مجبور ہیں مشیت پروردگار سے

دل کو جو کھینچتی ہے وہ ہے کون سی ادا
جاتا ہے کون اُنکی طرف اختیار سے

یارب رہیں گی سینہ میں کب تک یہ سوزشیں
آفت میں جان ہے نفس شعلہ بار سے

کیا کیا صبا نے آج شگوفے کھلائے ہیں
بیٹھے ہیں منہ چھپائے ہوئے پھول خار سے

حسرت یہ میرے ساتھ ہی قبر میں بھی عالم
پوچھا نہ حال دل کبھی مجھ بے قرار سے

جناب منشی عالم حسین صاحب عالمؔ دہرہ دون

کہنا نسیم جا کے یہ اُس گلعذار سے
عاشق تڑپ رہا ہے غم انتظار سے

مرکر بھی ہائے سیدھی نہ قسمت مری ہوئی
منہ پھیر کر چلے ہیں وہ میرے مزار سے

کیا جاگا ہے رات کو کسی بوالہوس کے گھر
آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں کسی کی خمار سے

جناب حکیم محمد شمس احمد صاحب کیفؔ دہرہ دون

رغبت ہو کس طرح مجھے باغ و بہار سے
سینہ ہے پر بہار دل داغدار سے

اُس کی نگاہ مست سے حاصل ہوا وہ کیف
جیسے ملا ہو سرور مے خوشگوار سے

جب سے کسی کے ہجر میں ہے چشم خونفشاں
دامن ہمارا کم نہیں کچھ لالہ زار سے

اشکوں نے میرے یار سے محروم کر دیا
فرصت نہیں ہے گریۂ بے اختیار سے

کوچے میں اُن کے لے گئیں بے تابیاں مجھے
نکلا ہے اپنا کام دلِ بے قرار سے

کیا حال دشمنوں کا ہے کچھ تو بتائیے
بیٹھے ہیں آپ کس لئے لب سوگوار سے

وہ دیکھتے نہیں مری تربت کو اس لئے
میلا نہ ہو نگاہ کا دامن غبار سے

وارفتگیِ کیف نہ کچھ پوچھ ہم نشیں
وحشت عیاں ہے جیب و گریباں کے تار سے

جناب آغا محمد جان صاحب گل کشمیری وارد حال دہرہ دون

دم میں بنی ہوئی ہے یہاں انتظار سے
شانہ وہاں ہے الجھا ہوا زلف یار سے

تیری یہ خو کہ تجھ کو ستم بھی ہے کھیل سے
میری یہ محویت ہے کہ بیخود ہوں پیار سے

عمر رواں نہ لوٹ کے گو لوٹ آئے بھی
آواز بازگشتہ تری کوہسار سے

جناب پنڈت لچھمی دت صاحب چھپی ہیڈ کلرک اسٹیشن مراد آباد تلمیذ
حضرت شوکت مرادآبادی

بیٹھے ہیں نا کسانہ میں بے قرار سے
اے درد دل اٹھا نہ ہمیں کوئے یار سے

جاتا رہے جو سینہ سے غم ہجر یار سے
کیوں چین آئے اُن کو رہے کیوں قرار سے

اُن کے ستم کی ایسی بھی انتہا ہو لے
پھر دیکھتے ہیں کیوں نگہ شرمسار سے

دنیا کی حد میں ہے بے بیتی ہے کھو دیا
دل سیر کیا ہوا ہے مے خوش گوار سے

داغ جگر ہیں خلشیں تیر ناز کی
لطف جنت ملا مجھے فصل بہار سے

آنے کسی کے پھر سے بھی رونقوں کے ساتھ
دل باغ باغ ہے قد و سرو بہار سے

لچھمی گلا کسی کے ستم کا نہ تم کرو
دنیا میں آکے کون رہا ہے قرار سے

جناب ماسٹر بہار راج کشور صاحب مجذوب مرادآبادی وارد حال دہرہ دون

اچھی مری نگاہ ہوئی چشم یار سے
کھویا گیا قرار دلِ بے قرار سے

محشر بپا ہوا ہے عجب ہے بہار سے
مردے نکل کے آ گئے باہر مزار سے

ساقی ابھی دور میں ساغر بھی دور ہیں
بیٹھا نہ وہ گھڑی کو کوئی بھی قرار سے

زاہد میں تیرے کہنے سے اس بت کو چھوڑ دوں
اٹھ جاؤں نامراد ہی کیا کوئے یار سے

ساقی میں پی کے کیا کروں جام شراب کو
مسرور ہوں محبت پروردگار سے

مشق جفا کرو تو کر دیوں کہ عمر بھر
دل بیٹھنے نہ پائے کسی دن قرار سے

دل میں کدورتوں کو نہ دے مدعی جگہ
آئینہ صاف چاہئے رکھنا غبار سے

مجنوں جب دل میں اب نہ تڑپ ہی نہ بیکلی
اتنے پڑے ہیں تیر کہ بیٹھا قرار سے

جناب منشی شنکر سروپ صاحب مفتوں شکوہ آبادی تلمیذ حضرت
نوح صاحب ناروی

خوبی نہیں ہے مجھ میں یہ خوبی تو مجھ میں ہے
اچھا نہیں تو خیر برا ہوں ہزار سے

پھولوں کو داغ دے گئے پژمردہ دل کے داغ
اچھی رہی ہماری خزاں بھی بہار سے

مفتوں یہ شاعری سے غرض ہے کہ دل کا حال
کہہ دیں کسی طرح کسی غفلت شعار سے

جناب منشی امیر خاں صاحب نامراد ٹی سی آر کے آر ریلوے
اسٹیشن بریلی تلمیذ حضرت شوکت مراد ابادی

کہتی ہوں ہاتھ جوڑ کے میں کردگار سے
مجھ کو ملے نجات دل بیقرار سے

معراج میں خدا تھا ادھر طالب وصال
اور اسطرف حضور تھے کچھ بیقرار سے

کس منہ سے ہائے حشر میں جاؤنگی میں غریب
گردن جھکی ہوئی ہے گناہوں کے بار سے

کرتی ہوں عرض شاہ مدینہ سے ہر گھڑی
دکھیا کو بھی بچانا لحد کے فشار سے

جاؤں گی نامراد مدینہ کو اس طرح
اب دوستی کروں گی نسیم بہار سے

جناب حافظ مصباح الدین صاحب ناز تلمیذ حضرت طبیب صاحب میرٹھی

ہاتھ آیا ایک پھول نہ اس لالہ زار سے
سو داغ لے چلے چمن روزگار سے

کسکی طلب ہے آرزوئے وصل کس کی ہے
اتنا تو پوچھ لو دل امیدوار سے

ہے جسم خستہ قبر میں کس دل جلے کا دل
آہیں نکل رہی ہیں یہ کس کے مزار سے

کرتے نہ بھول کر بھی حسینوں کی آرزو
ہوتے جو آشنا ستم روزگار سے

سودائے زلف کیا ہے تمنائے حسن کیا
پامال دل ہے گردش لیل و نہار سے

کیوں بل رہے ہو دست تاسف جناب نازؔ
کیا بےخبر تھے پہلے بتوں کے شعار سے

جناب منشی عبدالواحد صاحب واحدؔ دہرہ دون

قاتل لگا کے تیر ادا دل مرا نکال
بیٹھے یہ نامراد کبھی تو قرار سے

جبتک چھٹے نہ شیخ کی پگڑی ہیں ساقیا
پی جائے گی شراب نہ مجھ بادہ خوار سے

دست طلب دراز نہ ہونگے کسی طرف
مانگیں گے مانگنا ہے جو پروردگار سے

ارماں تو ہوگئے ترے پیکاں کے ساتھ ساتھ
دل بھی نکل نہ جائے مرے اختیار سے

دل میں مکیں ہیں نالہ و آہ و غم و الم
آباد ہے مکان انہیں تین چار سے

واحدؔ کسی کے ملنے کی امید کیا کریں
دل میں غبار رکھتے ہیں وہ خاکسار سے

جناب منشی عبدالرحمن صاحب ہوشؔ ڈرافٹسمین دہرہ دون

شوخی گئی نہ شرم گئی چشم یار سے
درپردہ چھیڑ چھاڑ رہی پردہ دار سے

سینہ سے لالہ زار دل داغدار سے
اچھی رہی خزاں مری فصل بہار سے

حسرت لپٹ کے روئی دل بیقرار سے
کیا کہدیا ہے یاس نے امیدوار سے

منزل کے پاس جاکے نہ منزل نظر پڑی
روشن رہی نہ آنکھ بھی دل کے غبار سے

اک روح تھی جو خاک کے پتلے میں اب کہاں
کیا لے گئی اجل مرے مشت غبار سے

دیکھا ہے تم نے آئینہ خانہ میں آج کیا
آنکھیں جھکائے بیٹھے ہو کیوں شرمسار سے

بیچین کر رہی ہیں تبسم کی شوخیاں
بجلی لپٹ گئی ہے دل بیقرار سے

آیا نہ ہوشؔ آپ میں گزری تمام عمر
کب بیخودی گئی دل بے اختیار سے

جناب منشی عبدالواحد صاحب واحد دہرہ دون

ارے قاتل تجھے کیا کان میں یہ ویسے کہنا ہے
یہ کیسا راز پوشیدہ ہے جو بسمل سے کہنا ہے

ہمیں مقتل کی جانب لیچلا ہے شوق پابوسی
سلام زخم بسمل خنجر قاتل سے کہنا ہے

وہ خود شرما گئے محشر میں میری بیگناہی سے
مجھے اب کیا بھلا اُس دیدۂ قاتل سے کہنا ہے

ہمیں بھی ساتھ لیلیں جائیں یاران وطن جسدم
یہ حسرت خیز قصہ رہبر منزل سے کہنا ہے

کوئی سینہ پہ کھا کر تیر اے دل درد پیدا کر
تو خود بھولا ہوا ہے کیا تجھے قاتل سے کہنا ہے

نگاہِ ناز کا مشتاق ہے دل آج سینہ میں
کہے جو کچھ کہ تیر ناز کو بسمل سے کہنا ہے

پریرویونکے جمگھٹ یا کہیں حوروں کے جھرمٹ ہوں
ہمیں تو مدعائے دل کسی محفل سے کہنا ہے

کلیجہ جس کا گھائل ہو وہی کچھ درد کو جانے
ہمیں بھی ماجرائے دل کسی بیدل سے کہنا ہے

ہمیں رستہ بتادے خضر منزل کوئی جاناں کا
یہی اتنا ہمکو واقف منزل سے کہنا ہے

تاج محل

پر

ایک انگریزی شاعر جے۔این۔فریزر۔کے خیالات

بیچ میں واقع ہے تیرا باغ کیسا خوشنما
چلتی رہتی ہے جہاں ہر وقت عنبر بو ہوا

چلتی ہے جسدم ہوائے مشک افزا نرم سی
تو بجتے ہیں سرو اُسکی نغمہ ریز آواز سے

درمیان سرو ہیں نہریں خوشی سے رواں
تیرتی پھرتی ہیں جنمیں خوبصورت مچھلیاں

مچھلیاں زائر کی آواز قدم سنتی ہیں جب
فلس زریں کی جھلک دکھلا کے چھپ جاتی ہیں

چرخ اخضر کا ہے ہمسر روضۂ انور ترا
کسقدر جانفزا ہے نظر کے لئے منظر ترا

شان تیری پہلے دن جو تھی وہی دائم رہے
اس اچھوتے حسن کی پہلی ادا قائم رہے

تیرا صانع بھی ہے فانی تو بھی فانی ہے مگر
دیکھنا ہے تیرے کاریگر کا اعجاز اسقدر

اُس نے کیسی تجھ پہ ہمدردی و صنعت صرف کی
صدمۂ شاہجہاں میں ہو گئی جس سے کمی

زخمِ غمِ شاہجہاں کا مندمل ہوتا نہ تھا
تجھ سے تسکین ہو گئی ایسی کہ غم گویا نہ تھا

دلکشی ہو کیوں نہ تیری صنعت تعمیر میں
تو ہے گویا عشقِ شاہی صورت تعمیر میں

جب فنا ہو جائیگا تو تب یہ ہوگا آشکار
عشق پر غالب ہی موت اور گردش لیل و نہار

دہر میں انساں کی صنعت کے نمونے کم نہیں
لیکن ایسے خوبصورت ایسے مستحکم نہیں

لیکن آ جائیگا تیرا وقت جب اے تاج گنج
خاک بھی ہوگی نہ شاید جسکے ہیں آج عکس گنج

تیری دیواروں پہ جو آیات قرآنی ہیں نقش
وہ بتاتی ہیں کہ اس دنیا کی سب فانی ہیں نقش

غافل انساں کو نہ رہنا چاہئے انجام سے
پھیر سکتا کون ہے منہ موت کے پیغام سے

ہاں جھلک کچھ روز تو اپنی دکھاتا رہ ابھی
قصۂ عبرت تو سب کو سناتا رہ ابھی

تا کہ نخوت ترک کر دیں سب جو لبریزی کریں
تیرے مرہونِ کرم ہوں تجھ سی ہمدردی کریں

تا کہ ہمت میں علو پیدا ہو دل آئینہ ہو
غیر فانی راحتوں کا روح اک گنجینہ ہو

تا کہ پیدا آسماں تا ارض میں اک جوش ہو
ہو نہ خالی حس سے دل ہو چشم ہو یا گوش ہو

تا کہ روحانی مسرت یہ بھی حاصل کر سکیں
کچھ اثر سے تیرے برکت یہ بھی حاصل کر سکیں

حامد حسن قادری

شمع و پروانہ

نیند اچٹ جانیکے باعث رات آنکھیں کھل گئیں
صبح تک تھا اک عجب حسرت بھرا پیش نظر

شمع و پروانہ میں باہم تھی عجب راز و نیاز
گرم تھی ہنگامۂ حسن و عشق سے باہم دگر

اشکباری اکطرف تھی آہ وزاری اکطرف | جل رہی تھی یاد میں سر دھن رہا تھا وہ اُدھر

اکطرف پروانہ کہتا تھا کہ اے شعلہ عذار | میں ہوں تیرا سوختہ جان خستہ دل تفتہ جگر
تجھ کو کس کا سوگ ہے بکھرائے ہیں کیوں سر کے بال | ہے یہ کیسا شام سے آنسو بہانا تا سحر
تو نہ ہو جس گھر میں بدتر ہے اندھیری گور سے | تو نہ ہو جس بزم میں وہ بزم ہے ظلمت اثر
کعبہ و بتخانہ سب میں تیرے دم کی روشنی | کافر و دیندار دونوں کو ہے تو پیش نظر
شوق سے میں چاہتا ہوں گرد پھر کر ہوں نثار | اور تو ہی پھونک دینے پر مری باندھے کمر
منزل مقصود تک اک جست میں پہونچا ہیں | کود پڑتا ہوں دہکتی آگ میں کیا بے خطر

چپکے چپکے اکطرف کہتی تھی یہ شمع بے زبان | دوست دشمن سب جلایا کرتے ہیں مجھکو مگر
منہ سے کچھ کہتی نہیں جلتی چلی جاتی ہوں میں | فائدہ کے واسطے غیروں کے سہتی ہوں ضرر
سر سے تلووں تک لگی لیکن نہ سرکے میرے پاؤں | راہ استقلال میں رہتی ہوں سرگرم سفر
تو نہ اسی آنچ کی بھی تاب لا سکتا نہیں | اور اُسی پہ سر چڑھا آتا ہے او شوریدہ سر
پہلے کس کے سر سے سلگیں عشق کی چنگاریاں | پہلے کس کے دل میں سوز غم نے بھڑکائے شرر
دل پہ جو گزری شفق اس وقت کہہ سکتا نہیں | دیر تک پڑھتا رہا یہ شعر میں با چشم تر

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

شفق عمادپوری

رباعیات شہیر

اوروں کی طرح جو شکل دنیا دیکھی | اک صورت دلفریب و زیبا دیکھی
سوجھا کہ زوال ہے یہ ہنگامۂ دہر | اندھے ہوئے ہم بھی سب کی دیکھا دیکھی

اعضا میں سکت ہے اب نہ دم میں دم ہے
جنبش دانتوں میں ہے بصارت کم ہے
ظاہر ہوا زور ناتوانی ہے شہیر
ضعف پیری بھی اک چھپا ستم ہے

کچھ نیک عمل نہ بہر انجام کیا
دنیا کے مزے اُڑائے آرام کیا
کھایا پیا سوئے جاگے بیٹھے اُٹھے
کام اتنے کئے مگر نہ کچھ کام کیا

اس عمر میں کیا بتاؤں کیا کیا دیکھا
شکل بد و نیک زشت و زیبا دیکھا
روز و شب و سال و ماہ و فصل و موسم
ہر وقت بدلتے رنگ دنیا دیکھا

مستی و سرور و شادمانی کب تک
بے فکری و عیش و کامرانی کب تک
جاہ و اقبال مال و اعزاز و خطاب
حاصل بھی ہوئے تو زندگانی کب تک

خاموشی میں کوئی ہمراز مسا نہیں
وہ ساز ہوں میں کہ جس میں آواز نہیں
آواز بھی ہو تو کب ہے انداز کلام
گویا ہوں مگر سخن کا انداز نہیں

مجموعہ دہر ہے بکھرنے کے لئے
سب آئے ہیں جان سے گزرنے کے لئے
ہستی بھی دلیل نیستی کی ہے شہیر
جینا ہے چند روز مرنے کے لئے

نوٹ

۱۔ رتبہ صاحب کے اکثر اشعار دقیق ہوتے ہیں ہم نے صرف عام فہم اشعار چنکر درج کئے ہیں،
۲۔ طبیب صاحب کا طرح نمبر ۲ میں نواں شعر غلط درج ہوگیا ہے۔ "ایڈیٹر"

ماں کی حسرتیں

ایک غم نصیب کے حالات

مرنے والے کس زباں سے میں کہوں مردہ ہے تو — پھر رہی ہے شکل تیری اب بھی آنکھوں میں مرے
لوگ سمجھے ہیں تجھے مردہ مگر زندہ ہے تو — موت کی سرحد سے اب باہر ہے تیری زندگی

نقش ہے دل پر تری اک آن ادائے جاں فزا — کان کو بھی یاد ہیں تیری ترنم پاشیاں
غنچۂ سربستہ تھا تو ہائے کیوں مرجھا گیا — یہ تو دن تھے پھولنے پھلنے کے ای خلد آشیاں

زندگی سے تیری وابستہ تھیں ماں کی حسرتیں — مرگ بے ہنگام نے سب کو ملایا خاک میں
رنگیں ناکام اس دکھیا کی ساری منتیں — گردش ایام نے سبکو ملا یا خاک میں

اُف تری وہ نزع کے دم کی نگاہ واپسیں — دیکھتی تھی جس کو وہ بے کس کلیجہ تھام کر
زندگی تھی تیری یا اک خواب حسرت آفریں — ڈھونڈتی ہے آنکھ مل مل کر جسے ہر سو نظر

تیرے آئین وفا کا کیا یہی ہے اقتضا — تشنۂ دیدار صورت کو تری ترسا کریں
ہو بھی سکتی ہے کوئی تدبیر ایسی کچھ بتا — تو ہمیں دیکھا کرے اور ہم تجھے دیکھا کریں

اے غریق بحر غم - اے نامراد زندگی — ڈوبتے یوں تو لب ساحل کبھی دیکھا نہ تھا
آہ تیرے پاؤں کو لغزش ہوئی تو کب ہوئی — بام تک جانے میں جب باقی کوئی زینہ نہ تھا

ناظرین اگرچہ کثرت کار اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ میں ایسے بڑے کام (اڈیٹری رسالہ) کو اختیار کروں مگر محترم حکیم ناظر الدین احمد صاحب کے بیحد اصرار نے مجھے صرف اسقدر پر رضامند کر لیا ہے کہ ایک ماہ میں صرف ایک مضمون اگر مختصر ہے ورنہ جزو مضمون اگر طویل ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں واسطے ناظرین رسالہ "شمع تجلی" پیش کر دیا کروں۔ نوعیت مضامین محض اخلاقی ہوگی جس سے میری طبیعت کو خاص لگاؤ ہے۔ میں علمی حیثیت و نیز جملہ حیثیت سے ایک بہت بے بضاعت شخص ہوں اسلئے عقلائے زمانہ سابق و حال کی دوکان سے مختلف اقسام کے پارچہ بوسیدہ لیکر اور اس میں اپنی طرف سے پیوند لگا کر ایک گدڑی پیش کر سکوں گا اگر پسند آئے تو اس افلاس زمانہ میں اُسیر اکتفا فرمائیگا۔ پہلا مضمون "بدگمانی" پر ہدیہ ناظرین ہے خدا کرے کہ ناظرین کے دلپذیر ہو۔ (راقم آپکا ایک خیر طلب)

بدگمانی

بدگمانی کی خصلت فی زمانہ عالمگیر ہونے کی وجہ سے انسان کی فطری خصلت میں شمار ہو رہی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ فطری خصلت نہیں ہے بلکہ یہ ایک عادت ہے جو اکثر غلط تعلیم اور ناقص سوسائٹی سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور عادت پڑتے پڑتے العادت طبیعت ثانیہ۔ (عادت انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے) کی مصداق ہو جاتی ہے چند مثالیں پیش کیجاتی ہیں جس سے ہمارا مطلب بخوبی ناظرین کے ذہن نشین ہو جائیگا۔ مثلاً ایک سچا ہندو یا مسلمان محض انصاف کی رو سے عیسائی پادریوں کی اخلاق کی تعریف تمہارے روبرو کرتا ہے اگر تم سدا سے ایسی صحبتوں میں رہے ہو جہاں غیر مذہب آدمیوں کا نام

ناظرین اگرچہ کثرت کار اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ میں ایسے بڑے کام (یا ذمہ داری مقالہ) کو اختیار کروں مگر محترم حکیم ناظر الدین احمد صاحب کے بیحد اصرار سے مجھے صرف اسقدر پر رضامند کر لیا ہے کہ ایک ماہ میں صرف ایک مضمون اگر مختصر ہے ورنہ جزو مضمون اگر طویل ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں واسطے ناظرین رسالہ "شمع تجلی" پیش کر دیا کروں۔ نوعیت مضامین محض اخلاقی ہوگی جس سے میری طبیعت کو خاص لگاؤ ہے۔ میں علمی حیثیت و نیز جملہ حیثیت سے ایک بہت بے بضاعت شخص ہوں اسلئے عقلائے زمانہ سابق و حال کی دوکان سے مختلف اقسام کے پارچہ بوسیدہ لیکر اور اُس میں اپنی طرف سے پیوند لگا کر ایک گدڑی پیش کر سکوں گا اگر پسند آئے تو اس اخلاص کے زمانہ میں اُسی پر اکتفا فرمائیگا۔ پہلا مضمون "بدگمانی" پر ہدیہ ناظرین ہے خدا کرے کہ ناظرین کے دلپذیر ہو۔ (راقم آپکا ایک خیر طلب)

بدگمانی

بدگمانی کی خصلت فی زمانہ عالمگیر ہونے کی وجہ سے انسان کی فطری خصلت میں شمار ہو رہی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ فطری خصلت نہیں ہے بلکہ یہ ایک عادت ہے جو اکثر نکمی تعلیم اور ناقص سوسائٹی سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور عادت پڑتے پڑتے العادت طبیعت ثانیہ۔ (عادت انسان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے) کی مصداق ہو جاتی ہے چند مثالیں پیش کیجاتی ہیں جس سے ہمارا مطلب بخوبی ناظرین کے ذہن نشین ہو جائیگا۔ مثلاً ایک سچا ہندو یا مسلمان محض انصاف کی رو سے عیسائی پادریوں کی اخلاق کی تعریف تمہارے روبرو کرتا ہے اگر تم [illegible] صحبتوں میں رہے ہو جہاں غیر مذاہب آدمیوں کا نام

ہمیشہ حقارت سے لیا جاتا ہے تو تم کو غالباً یہ گمان ہوگا - کہ یہ شخص عیسائی مذہب کی طرف میلان رکھتا ہے یا در پردہ عیسائی ہے - اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے شخص کو اپنے نفس پر قیاس کرکے اس سے بدگمان ہو جاتا ہے - مثلاً ایک شخص اپنے ملک یا قوم کی بھلائی میں بیغرضانہ کوشش کرتا ہے مگر اُس ملک یا اُس قوم کے وہ آدمی جو خود غرضی میں ڈوبے ہوئے ہیں اُس کی کوشش کو بھی خود غرضی ہی پر محمول کرتے ہیں - یا ایک شخص اہل یورپ کو جو حاکم وقت ہیں سچا اور راستباز اور خوش معاملہ سمجھکر اُن سے زیادہ میل جول رکھتا ہے مگر جو لوگ اُن سے اس حیثیت سے نہیں ملتے - وہ اسکو بھی اپنی طرح ایک خوشامدی - گو نگیرا اور رکھاتیا سمجھتے ہیں - مثلاً ایک دانا گورنمنٹ جو مختلف قوم و مذہب کی رعایا پر حکمران ہے - اپنے مدارس میں کسی خاص مذہب کی تعلیم کو جائز نہیں کرتی - مگر جو لوگ اس گورنمنٹ کے دانشمندانہ اصول سے واقف نہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہمارے مذہب کو نیست و نابود کرنا چاہتی ہے -

کبھی بدگمانی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے اخلاق و عادات قوم کے عام اخلاق و عادات کے برخلاف ہوتے ہیں اُنکی نسبت سوءظن پیدا ہوتا ہے - مثلاً ایک قوم میں حد سے زیادہ بناوٹ تکلف اور ظاہرداری کا دستور ہے اگر کوئی شخص اُس قوم میں سیدھا سیدھا بے تکلف سادہ مزاج اور کھرا پایا جائیگا - وہ ضرور ایک متکبر مغرور اور بدمزاج اکھل کھرا تصور کیا جائیگا - ایک خاندان کے اکثر مسرف فضول خرچ لہو و لعب میں زندگی بسر کرتے ہوئے نام اور نمائش پر مرنے والے ہیں -

(باقی آئندہ)　(راقم آپ کا ایک خیر طلب)

مُغل اور اُردو

مُغل۔ یہ وہی مُغل ہیں جو اِس باغِ ہند کے آخری باغبان کہلاتے۔ جن کی باغبانیوں نے اِسے گلزار بنایا اور تین سو برس کی عرق ریزی کے بعد جنکے اقبال کی بہار پلاسی کے میدان میں آخر خزاں ہوگئی۔

امیر تیمور اس گھر کا وہ پہلا صاحبقران ہے جسکے قوی بازوؤں نے دو ملکوں کے ستاروں کو پھیر کر ملا دیا۔ خاندان تغلق کے سرنگوں ہوتے پر اِس گیتی ستان کے قدم ادھر آئے اور اُس کی پولادتن دیبہ پوش قوم اِس نرم و گرم زمین پر ایک سال جمی اور گھہرتی رہی۔ اس کا اردو دلّی کو زیر و زبر کرتا سر دوار پر چڑھتا اُترتا اور پنجاب کو منقلب کرتا ہوا آگے لوٹا۔

ایسے طوفان میں قومیں اور زبانیں ملتی نہیں بلکہ بکھرتی ہیں اور اگر لودی نہ سنبھالتے تو یہ ہل چل ہمارے شیرازہ کو نہ معلوم کہاں تک پراگندہ رکھتی سکندر۔ لودی کا احسان کہ ترقی ارتباط و اتحاد کی راہیں اُس نے پھر نکال دیں مگر افسوس کہ اُس کی زندگی کی طرح اسکی ترقی عمر بھی محدود رہی۔ ابراہیم اُسکا خلف الرشید نہ تھا۔ وہ اور معاملات میں بیٹھا رہا آخر پانی پت کے تاریخی میدان میں سلطنت و جان ہار کر پردۂ خاک میں چھپ گیا۔ بابر کی جنت آرمنی نکی نام آوری شروع ہوئی اور ترکوں کا آفتاب اقبال درخشاں ہونے لگا۔

بابر تلوار ہی کا دھنی نہیں بلکہ قلم اور زبان کا بھی دھنی تھا۔ ادب شاعری اسکی فطرت میں تھی۔ جب اسے وطن سے نکلنا ہوا اور تاشقند پہنچے تو وہاں شکار و شاعری ہی اسکے دو بہترین مصاحب تھے کوہ بیابان میں تیر و تفنگ چلانا اور آب رواں کے کنارے بیٹھکر غزلوں سے جی بہلاتا اور عالمِ سر در میں کہتا ہے ؎

نوروز و نوبہار و مے و دلبرے خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ایسی پرجوش طبیعت پر اس چمن کی سیر اک اور تازیانہ تھی۔ وہ سودا یہاں بڑھا کہ اپنے پرانے شغلے کو تازہ کرتا رہا۔

سکندر لودی کے بعد اور نو سو تینتیس ہجری اور پندرہ سو چھتیس عیسوی کے یادگار سنہ میں ہمارے ملک کی زبان کیا تھی۔ اسے ہم فردوس مکانی کی زبان سے سنتے ہیں۔ ایک مقام پر جب اسکے ایک نامی سردار نے شکست کھائی اور یہ خبر اس نے پائی تو اس کا ذکر اپنے تزک میں کرکے لکھتا ہے کہ سردار کی یہ پسپائی تامل طلب ہے غیر زبان غیر کفو ہی نہیں بلکہ غیر زبان سے مقابلہ تھا ہم یہاں کے بول سمجھتے ہیں اور نہ وہ ہماری زبان جانتے ہیں۔ پھر ایک جگہ آگرے کے ذکر پر لکھتا ہے کہ میرے آدمیوں کیلئے یہاں کی زبان نئی ہے اور وہ اس سے بھڑک رہے ہیں۔

یہ دو شہادتیں اتنا سمجھ لینے کیلئے کافی ہیں کہ اسوقت یہاں وہ زبان دائر و سائر تھی جو ان ترکوں کے لیے غیر تھی جنکی روزمرہ فارسی ہو رہی تھی۔ غور کرنا چاہیے کہ غیر ملکیوں کو یہاں جمے ہوئے نو سو برس ہو چکے۔ وہ مالک الملک بنے ہوئے تھے۔ قانون اور ہر طرح کا زور ان کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ جب چاہتے زبان کی کایا پلٹ دیتے مگر نہیں وہ اس زمین کی آب و ہوا سے آشنا ہو چکے تھے اور خوب جانتے تھے کہ خلاف فطرت کام ظالم اور زبردستی تو دی کی گردن کشی ہے انہوں نے یہاں کی زبان کبھی نہیں بدلنی چاہی آہستہ آہستہ جانتے لکھنے اور بولنے رعایا کا دل ہاتھ میں لیے رہتے تھے۔

بابر۔ اس معاملہ میں اپنے پیش روؤں کا معتقد و مقلد صادق تھا۔ وہ خود ادیب شاعر تھا اور اس دنیا سے دوسری زبانوں کی قدر کرتا اور ان کا ادب حفظ

رکھتا تھا۔ یہاں آکر اپنی رعایا کی زبان اُس نے سیکھی اور اپنے روزمرہ میں داخل کی اُس سے تزک کو پڑھ کس بے تکلفی سے ہندی و ترکی کا جوڑ ملاتا اور یہ فصاحت اُسے ادا کرجاتا ہے۔

وہ ہمہ گیر و شاعر بادشاہ اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ پیاری زبان کو خلعت نظم بھی بخشتا ہے۔ اسکی رنگینیٔ طبیعت نے ایک مرتبہ اپنے تخیلات و جذبات کے پتلے کو ترکی خرقہ اور ہندی جامہ ساتھ پہنایا اور شوخیوں کے ساتھ اُسے محفل میں یوں جلوہ دیا ہے

مجکا نہوا کچ ہوس مانک موتی ؛ فقر اہلیغہ بس بولغوسیدر پانی روٹی
مجکو کچھ یاقوت روٹی

بادشاہ کہتا ہے کہ مجھے یاقوت اور موتی درکار نہیں۔ فقیر مست ہوں ایک گردہ نان اور ایک کوزہ آب بس ہے۔ آپ کی اردو کا یہ پہلا شعر جس وقت ظل اللہ کے مُنہ سے نکلا ہوگا تو محفل کا کیا رنگ اور درباریوں کا کیا حال ہوا ہوگا کتنی واہ واہ ہوئی ہوگی اور بڑے نازک وزرائے دولت نے موتیوں کے کتنے طبق وارے ہونگے اور اُسکی رعایا اپنے بادشاہ کی زبان سے بولی سنکر کس طرح خود کو نثار کرتی ہوگی۔

یہاں ایک نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مانک اور موتی ہندی ہے۔ غریب ترکوں کے یہاں موتیوں کا یہ مینہ کہاں برستا تھا کہ ترکی زبان کا وہ سنگھار ہو سکتا اور انکی تخیل میں مدد دیتا۔

یہ تو آپ کے اقبال کے وقت کی سچی کہانی ہے کہ بابر دل میں پیوست ہوگیا بعد ڈھیر کے ڈھیر موتی بیچ رہے تو موتیوں میں مانک ٹانک پہنے گئے۔ ترکی بادشاہ کے الفاظ ہی نہیں بابر چار برس کے اندر اسکے تخیل بھی دیکھیے ہندی ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ وہ پروشیوں کا بادشاہ اور سپہسالار جو مرتبہ کہ

سردار نہ تھا کہ فرعونیت اور اوتار بنتا بلکہ وہ ہندی بادشاہ تھا۔ اسلیئے شاہی سے زیادہ فقیری بہائی اور اس روپ میں اپنا احوال کہہ سنایا۔ اور یہی وہ اسلامی و ہندی اصلی شاہی کیرکٹر ہے جسے فردوس مکانی کچھ عجب شان سے دکھا گیا

شریمتی سروجنی دیوی

الور صاحب از لاہور

ہندوستان جدید کے مہذب اور متمدن لوگوں کے احساس پر سنسکرت قدیم یا صوبجات ملک کی مختلف زبانوں میں ہی مشق سخن کرکے اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ خانگی زندگی کی مسرت ادائے فرائض کا سرور اور مذہبی جوش کا جذبہ حیس قدر پُراثر طریق پر رامائن کے مطالعہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ کسی ہندوستانی کی انگریزی نظم سے پیدا نہیں ہو سکتا اور اکثر یہ سوال وقتاً فوقتاً کئی اصحاب کے دلمیں پیدا ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ سنسکرت قدیم کی شاعری میں جو موسیقی اور مذہبی تخیل مضمر ہے اُس کی نظیر عصر جدید میں نہیں ملتی۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ رابندرناتھ ٹیگور اور شریمتی سروجنی دیوی نے اپنی فکر رسا اور تخیل فلک پیما سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اپنے ملک کی مختلف زبانوں کے علاوہ انگریزی زبان میں خیالات کو شاندار طریق پر ملبوس کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کی قومی زندگی میں کسی ہندوستانی شخص کی انگریزی شاعری خاص اہمیت رکھتی ہے مشرق و مغرب کے تہذیب کے باہمی اثر سے لوگوں کے دلمیں نئے خیالات اور نئے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے باشندوں کا قومی اتحاد حب وطن اور بھارت ماتا کی پرستش کے خیالات نے ہندوستان کی دُنیا میں نیا عنصر پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ جائز اور مناسب طریق پر

نذرِ قلم ہو رہے ہیں۔ عقائد کی کشمکش اور مذہب و سائنس کے مناظرے سے
ہندوستان میں بھی وہ روحانی بےچینی پیدا ہو گئی ہے جس کے باعث یورپ میں
مذہبی شکوک پیدا ہو گئے تھے مغرب میں عورت کی خاص عزت کی جاتی ہے اور
اُسے مرد کے اعلیٰ اخلاق اور وجدانی جذبات کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں عورت صنفِ ضعیف کہلاتی تھی۔ مگر خوشی کی بات ہے
کہ آج مغربی تہذیب نے ہمارے دلوں پر عورت کی عزت اور عظمت کو منقش کر دیا
ہے۔ ہم علمی بیداری کے باعث عالمِ محسوسات کے خوشنما مناظر کا تماشہ کرنے کے
شائق ہو گئے ہیں اور صحیفِ قدرت کے ورق ورق کو پیامِ معرفت سے لبریز پاتے
ہیں محسنِ مغرب نے ہمارے قول و فعل اور تخیل پر بھی مفید اثر پیدا کر دیا ہے
اور ان نئے خیالات و جذبات کا اظہار بھی انگریزی زبان میں ہی بخوبی
ہو سکتا ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ کے حالات و واقعات نظم و نثر میں ہمیں
انگریزی زبان کی طرف ہی مائل کرتے ہیں اور بہتر بھی یہی ہے کہ ہم مغرب پر اپنے
خیالات کے اظہار کے لئے انگریزی زبان کو ہی استعمال کریں جو مغربی ممالک میں
عام طور پر سمجھی جاتی، بولی جاتی اور مروج ہے۔ زبان انگریزی میں مشق سخن
کرنے سے مغرب کے ہمارے خیالات کی ترجمانی بخوبی ہو سکتی ہے۔ ہندوستان
تہذیب و تمدن کے شروع دور سے ہی روحانی مسرت کی طرف دیگر ممالک کے لوگوں کو
مدعو کرتا رہا ہے اور اگر ہم قومی امتیاز و تنازعہ کو ہمیشہ کے لئے دور کرنا چاہیں تو
اس کا مناسب طریق یہی ہے کہ ہم ہندوستانی خیالات کو مغرب کے سامنے انگریزی
زبان میں پیش کریں کیونکہ اس طریق پر تمام دنیا میں امن و امان بھی قائم ہو گا
اور حقیقی مسرت پیدا ہو گی۔ ایشیا کو مکمل اور مفصل اظہارِ تخیل کے لئے انگریزی
زبان کی ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم مبالغہ اور غلو کو بالائے طاق رکھ کر اظہار
تخیل کی اس سادگی کو قبول کریں جو مغرب میں مروج چلی آتی ہے۔ ...

اس سے ہماری قوتِ اظہار اور اظہارِ تخیل میں وہ سادگی اور وہ توازن پیدا ہو جائیگا۔ جسے دُنیا کے ماہرین زبان زبان دانی کی خوبی سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج ڈاکٹر راجندر ناتھ ٹیگور اور شریمتی سروجنی دیوی کو علمی دُنیا میں خاص عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بنا بریں ہمارا فرض ہے کہ وہ ان اصحاب کے کلام منظوم کا مطالعہ کر کے سرورِ روحانی حاصل کریں۔ تاکہ ان پر ابتدائی دماغ کی قابلیت ہویدا ہو۔

ناظرین یہ دیکھیں کہ شریمتی سروجنی نے اظہارِ تخیل کیلئے کیا تعلیم پائی اور اُنہوں نے اس طریق پر تعلیمی ترقی حاصل کی۔ اور عجب نہیں یقین ہے انکی زندگی کے حالات کو مطالعہ کرکے ناظرین اُنھیں ملک کے بہترین شعرائے زمانہ کی فہرست میں شامل پائینگے۔ کیونکہ شریمتی سروجنی شاعری کے عرش الکمال پر تاہید فلک ہو رہی ہیں اور جب تک دُنیا میں زبان کی سلاست اور خیالات کی جدت کی عزت ہو سکتی ہے شریمتی کا نام نامی بھی دُنیا میں بطور یادگار قایم رہیگا۔ (باقی آیندہ)

معذرت

ناظرین۔ معاف فرماوینگے کہ رسالہ ہذا کا پہلا نمبر اچھا نہیں چھپا اور ذرا سی ترتیب میں بھی گڑبڑ سی ہو گئی۔ یہ ضرور ہے کہ کافی نوٹس کی غلطیاں دیکھنے سے نکل سکتی تھیں لیکن بہ اعتبار منیجر صاحب میں دیکھنے سے معذور رہا۔ انشاء اللہ آیندہ اس کی لکھائی چھپائی میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا جائیگا۔ اڈیٹر

شاگرد اور اوستاد

شاگرد۔ اوستاد صاحب اس دفعہ میں نے بغیر مطلع کی غزل کہی ہے دیکھیے کیا کیا شعر نکالے ہیں اگر کہیں اصلاح کی ضرورت ہو تو میری لیاقت سے زیادہ آپ شعر کو مرصع نہ فرمائیں۔

اوستاد۔ کیوں نہیں آخر دہلی کے رہنے والے ہو کہیں اور کے تو نہیں شاؤ جلد شاؤ مشاعرہ کا وقت قریب آچکا ہے۔

شاگرد۔ شعر ملاحظہ فرمایئے عرض کرتا ہوں ؎

کل تلک ٹال کے رکھا تھا ستمگر نے مجھے ؛ آج بالیں پہ آ کر مری حالت دیکھی

اوستاد۔ واہ میاں احمق خوب لکھے تو تم ضرور کسی کو غزل دکھا کر لائے ہو۔ کیونکہ تمہارے شعر تو تختی میں بھی ٹھیک نہیں ہوتے تھے۔

شاگرد۔ نہیں اوستاد میں خود طبع آزمائی ایک شعر لایا ہوں۔

اوستاد۔ اچھا اب کل غزل پڑھ جاؤ۔

شاگرد۔ اوستاد صرف چار یا پانچ شعر کہہ لئے ہیں عرض کرتا ہوں۔ غزل

کل تلک ٹالے رکھا تھا ستمگر نے مجھے ؛ آج بالین پہ آ کر مری حالت دیکھی

تو ہی بس خلد کے گلزار پہ مٹا ای زاہد ؛ مری طبیعت ہی کبھی طالب جنت دیکھی

تم ہوئے مجھ سے مہربان تو زمانہ تھا خلاف ؛ تم جو ناراض ہو سب خوش ہیں یہ قسمت دیکھو

بجلیاں کیوں دل اب مضطر پہ گریں لے احمق ؛ تو نے کیا پھر کوئی حسین سی صورت دیکھی

اوستاد۔ میاں صاحبزادے شعر تو خوب خوب نکالے ہیں۔ لیکن پہلے مصرعہ میں۔ ٹلاکے کیا لکھ مارا ہے یہ لفظ تو متروک ہو چکا ہے اور مصرعہ ثانی میں بالین۔ کیا ہے۔

اس میں نون غنہ استعمال کرنا چاہئے تھا۔ جیسا کہ ؎

کل تک اس بت نے مجھے ٹال کے رکھا لیکن ٭ آج بالین پہ وہ آیا مری حالت دیکھی

اور دوسرے شعر میں لفظ طبیت کیوں رکھدیا ہے طبیعت لکھنا چاہئے تھا جیسا کہ ؎

تو ہی بس خلد کے گلزار پہ مت ہے زاہد ٭ یہ طبیعت بھی کبھی طالب جنت دیکھی

اور تیسرے شعر میں مہربات خوب لکھا ہے۔ اسے مہربان لکھنا چاہئے تھا جیسا کہ ؎

تم جو تھے مہربان مجھ پہ تو زمانہ تھا خلاف ٭ تم جو ناراض ہوئے سب خوش ہیں حالت دیکھی

وان بھی راہ شعر تو جیسے تیسے کہے ہی ہیں لیکن مقطع تم نے خوب لکھا ہے ہم نے آجتک کسی معشوق کی چین بجبیں صورت کہتے نہیں دیکھا اگر تم نے کہیں میر وغیرہ کے دیوان میں دیکھا ہے تو ہمیں دکھاؤ۔ تو تمہارا مقطع ایسے ہی رہنے دینگے ورنہ دوسرا یہ مقطع بغرض اصلاح رکھ لو ؎

گو تری بزم میں رہی ساتھ ہمیشہ احمق
چین پایا نہ کبھی چین کی صورت دیکھی

آجکل کی شاعری

عام طور پر مشہور ہے کہ فی زمانہ شاعری صرف نام ہی کی رنگینی ہے اور حقیقت میں اگر شعرائے سلف کا آجکل کے شعرا سے مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو فوراً اس نتیجے پر پہنچنا ہو گا کہ آخر الذکر کو اول الذکر سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ جو زمانہ گزرتا ہے وہ اس فن کے متعلق واضح طور پر پیشگوئی کرجاتا ہے

اب میر و سودا اور آتش و ناسخ جیسے سخنور ہونا تو کجا ان کے سمجھنے والے بھی بتدریج مگر بسرعت کم ہوتے جاتے ہیں اور اگر یہی لیل و نہار ہیں تو ایک دن ایسا بھی ضرور ہوگا کہ ادبی مذاق ہندوستانی دماغوں سے عزلت نشینی ترک کرکے رخصت ہو چکا ہوگا۔ بہرنوع یہ عام خیال ہے اور جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں واقعیت سے بالکل خالی بھی نہیں۔ اس ادبی تنزل کے چند اسباب بیان کئے جاتے ہیں ان میں عدم قابلیت و فقدان قدر دانی کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اب شاعری کسی شخص کا ذریعہ معاش نہیں ہو سکتی (وہ چند اہل سخن جو بعض دیسی ریاستوں کے درباروں میں رونق محفل ہیں یا وہ خوش قسمت شاعر جن کے کلام اُن کی زندگی ہی میں شہرت عام کا تمغہ حاصل کر چکے ہیں ضرور مستثنیٰ ہو سکتے ہیں) بلکہ صرف دلبستگی یا شہرت و ناموری کا موجب ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ ظاہر ہے کہ اُس زمانے کی شاعری جبکہ وہ ذریعہ معاش بھی ہوتی تھی یا ہو سکتی تھی اس عہد کی شاعری سے جو صرف دلبستگی کا ذریعہ متصور ہے ضرور ممتاز ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ اب علوم مشرقی کی کساد بازاری انتہا کو پہنچ گئی ہے لہذا قابلیت محدود اور [illegible] مفقود ہو گئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علوم مشرقی کی جگہ فنون مغربی نے لے لی ہے جس سے روشن خیالی اور دور بینی کو بیشتر سے بیشتر ترقی ہوگئی ہے اور شاعری کو بھی اسی رستے تعلق ہے لہذا اُس کو بجائے تنزل کے ترقی ہونی چاہیئے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو جواب یہ ہوگا کہ مغربی خیالات کو مشرقی زبان میں ادا کرنا نہ آسان ہے نہ ابھی مروج دوم یہ کہ اُردو زبان مرہون منت ہے عربی، فارسی، اور ہندی

زبانوں کی مغربی علوم کی ترقی سے اس کو کیا ذائدہ ہو سکتا ہے۔ جن زبانوں سے یہ مرکب ہے صرف انہی کی تحصیل مفید اور نتیجہ بخش ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ عدم قابلیت و ناقدر دانی اُردو شاعری کے زوال کی بہت کچھ ذمہ دار ہیں۔

یہ تصویر کا صرف ایک اور بہت نمایاں رُخ ہے۔ اسکا دوسرا رُخ بھی نظر انداز کرنیکے قابل نہیں ہے وہ یہ کہ اس عہد میں باوجود تنزل و انحطاط کے شاعری میں ضرور بہت کچھ اصلاحیں بھی ہوئی ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ معقول اور مفید بھی ہیں۔ مثلاً زبان کو ثقیل اکروہ اور غیر مانوس الفاظ کی بھرتی سے پاک صاف کرنا۔ تعقید اور گنجلک کو دُور کرنا۔ شوخ غیر مہذب مخرب اخلاق اور نا ملائم لٹریچر سے پرہیز کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی اصلاحات ہیں جن پر عہد حاضرہ باوصف اپنی بے بضاعتی کے جسقدر ناز کرے کم ہے۔ میں مانتا ہوں کہ میر کا سا دلربایانہ طرز ادا سودا کا سا پرشوکت کلام غالب کی سی بلند پروازیاں ناسخ و آتش کی سی شاعرہ نوازیاں اب ڈھونڈ ہے سے نہیں ملتیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی میرا دعویٰ ہے کہ شبلی و حالی جیسے ناصح، اقبال جیسا فلاسفر، اکبر جیسا سنجیدہ ظریف اُس عہد کی شاعری میں کمیاب ہی نہیں۔ نایاب ہیں۔ بلکہ متقدمین کے نقال اور اُن کے مقلد اور ہم رنگ اس عہد حاضرہ میں بہت ملینگے۔ مگر اس زمانے کے مشاہیر اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ ان نونہالوں کو عہد قدیم کے اُجڑے چمن میں تلاش کرنا بالکل فضول ہے

اس عہد کی شاعری کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) زبان سلیس۔ فصیح اور شستہ۔
(۲) نظم صاف بے عیب اور رواں۔
(۳) اساتذہ قدیم وجدید کی کورانہ تقلید سے بچنا اور "خذما صفا ودع ماکدر" پر عمل۔
(۴) یورپ کی بیجا تقلید سے انحراف لیکن وہی "خذما صفا" کو دلیرانہ وغیر متعصبانہ طریق کار قرار دینا۔
(۵) ایشیائی نظم کو جو عبث اور تضیع اوقات کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی کارآمد اور مفید ملک و قوم بنا دینا۔ (اسکا ابھی آغاز سمجھنا چاہیئے لیکن اس کی روز افزوں ترقی اس کی کامیابی کی ضامن ہے)
(۶) نظم تصنع اور آورد سے پاک ہو کر صحیح جذبات اور حقیقی کیفیات قالب میں ڈھلتی جاتی ہے۔

کیا یہ اصلاحیں اور خصوصیات جنکو میں سطور بالا میں بیان کر چکا ہوں کچھ کم اہم ہیں؟ میرے نزدیک تو یہ عظیم الشان اور خوشگوار تبدیلیاں ہندوستانی شاعری اور ملک و قوم کیلئے فال نیک ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بوجہ عدیم الفرصتی اپنے دعوے کے ثبوت میں قدیم وجدید شاعری کا موازنہ معزز ناظرین کی خدمت میں پیش نہیں کر سکا ہوں۔ لیکن اُمید ہے کہ انشاء اللہ اس رسالے کی اشاعت آئندہ میں ایسا کر سکوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو صاحب میرے اس وقت ہم خیال نہیں ہیں وہ میرا آئندہ مضمون پڑھ کر ضرور مجھ سے متفق ہوں گے۔ (نیاز کیش قمر علی از مراد آباد)

انعام کے مستحق

(۱) جناب ڈاکٹر برکت علی صاحب انڈین اسٹیشن ہسپتال سہارنپور دہرہ دون نے نمبر ا کی چیستان حل کیا وہ کمر بند تھا۔

(۲) جناب صوفی انعام باری صاحب ڈرافسمین دہرہ دون نے نمبر ۲ کا چیستان حل کیا۔ جس سے جامن۔ نکالی۔

(۳) جناب ڈاکٹر دہرت رام صاحب انڈین سٹیشن ہاسپٹل دہرہ دون نے نمبر ا کا معمہ حل کیا جس سے شمشیر بنتی ہے۔

(۴) جناب ڈاکٹر فیض محمد خان صاحب انڈین اسٹیشن ہاسپتال دہرہ دون نے نمبر ۳ کا معمہ حل کیا جس سے ڈہال ظاہر ہوئی۔

القرضُ مقراضِ العزت

ہر شخص سے پیچ بنکے لڑنا دیکھو ؛ چتون یہ ہے بل ذرا بگڑنا دیکھو

کھا کھا کے ادھار تاؤ چھونکدیا ؛ گویا کہ رئیسوں کا اکڑنا دیکھو

والدین اور اولاد

ماں باپ ہیں نیکیاں بتانے والے ؛ علم و عمل اخلاق سکھانے والے

دے غم نہ انہیں کہا کے نزیب دشمن ؛ ایسے نہ ملینگے ناز اُٹھانے والے

وضعداری صاحبین کی تصویر

زیبا نہیں انسان کو شر کی باتیں ؛ توڑیں نہ کسیکا دل شر کی باتیں

غیبت کا عذاب لیکے دوزخ میں نہ جا ؛ چُن چُن کے نہ کہہ اِدھر اُدھر کی باتیں

(حضرت ضمیم برنی)

دُنیا کی فکر اور عقبےٰ سے بے پروائی

دو روزہ زندگی میں کیا کیا نہ کیا ؛ ہاں گر نہ کیا تو فکرِ عقبیٰ نہ کیا
آ پہنچا وقت کوچ لیکن میں نے ؛ ابتک کوئی سامان سفر کا نہ کیا

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

رنجور رہے کیوں آہ زبان پر لانا ؛ کیوں اپنے کئے پہ آج ہے پچھتاتا
جو ہونا تھا ہوا۔ اب آگے کی سوچ ؛ جو وقت گیا وہ پھر نہیں ہاتھ آتا

(رنجور کلکتہ)

دُنیائے فانی

دشمن ہے نہ دوست اب کوئی صحبت میں ؛ کچھ خار کھٹکتے ہیں رہِ راحت میں
رات آکے جو ٹھیرا تھا سحر کوچ کیا ؛ جہاں تھا جنت کا گیا جنت میں

(اوڈیٹر)

تمنائے دلی

میں یہ نہیں کہتی ہے مجھے آقا کردے ؛ مولا کے جو جی میں ہو وہ مولا کردے
حاصل ہو غلامی کا شرف دکھیا کو ؛ بندی سے کسی دن مجھے بندا کردے

بندی مرادآباد

کلام اکبر

میں نے کہا یہ اپنے خیالی خضر سے آج ؛ بتلاؤ اس روش سے ترقی کی کیا امید
ہر گام پر جو طاعتِ حق سے الگ پڑا ؛ ہوتے رہوگے مرکزِ قومی سے تم بعید
ہاں انتشار جہل کی تکمیل ہو گی جب ؛ ہو جاؤ گے بتانِ کلیسہ کے تم مرید
شاید کہ مدعا بھی تمہارا ہے بس یہی ؛ ہر چند الٹی ہے علم کے پردے میں نا پدید

حیرت میں محو دیکھ کے اُس خضر نے پڑھا ۔۔ حافظ کا ایک شعر جو معنی کو تھا مفید
سرِ ازل کہ پیرِ مغاں با کسے نگفت ۔ ۔۔ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

پہیلی

نمبرا۔

پہلے پُرش اوترتے ناری ۔ جوں جوں بڑھے توں توں لگے پیاری ۔ جب وہ جوبن بھر پاوے تب ناری سے پُرش کہاوے ۔ (اسمٰعیل از بریلی)

شعر نمبر ۲

تم تم تم تم تم تم تم تم تم تم کا لیگیا ہے ۔ لا لا لا لا لا ۔ چور لکے جو جو جو جو جو
کر کر کر کر کر کر کر کر کر کر نہ رکھیو اُسکو نو نو نو نو نو رلائے ہرگز (صوفی میرٹھی)

نوٹ نامہ نگار صاحبان ونیز شعرا صاحبان کیخدمت میں ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی غزلیں اور ہر قسم کے مضامین صاف لکھکر روانہ فرمایا کریں کیونکہ کتابت کے وقت بڑی دقت اُٹھانی پڑتی ہی ۔ جو صاحب اسپر خود عمل نہ کریں اُنہیں بھی اپنے کلام کی صورت مسخ ہو جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیئے ۔

وہ مضمون کہ جس میں نامہ نگاروں کا نام نیچے لکھا ہوا نہو گا ۔ وہ مضمون کہ جسکا سر پاؤں نہو اور بیڈھنگا سا ہو ۔ وہ نظم کہ جس کی ترتیب غلط اور مصرعوں میں کمی بیشی پائی جائیگی ۔ رسالہ میں شایع نہو سکیں گے ۔ ہم کو کوئی حق نہو گا کہ ہم کسی کی اصلاح کر سکیں ۔

مشاعرہ کی انتخاب شدہ غزلیں اُنہی شعرا کی درج رسالہ ہونگی جو رسالہ کے خریدار ہوں گے ۔ چندہ سالانہ علاوہ محصول ڈاک ۸ عہ اور مع محصول ڈاک عہ ۱۲ ایک رسالہ صرف ۳ قیمت ملیگا ۔ (اڈیٹر)

رشکؔ - اعلیٰ حضرت فلک رفعت ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامرا لفٹننٹ کرنل ہز ہائینس نواب سر سید حامد علی خاں صاحب بہادر والئی ریاست رامپور دام اقبالہم دام ملکہم

رنجش کی ساری باتیں انکی زبان پر ہیں
ہم سے بہت کھنچے ہیں کس آن بان پر ہیں

چھد جائیگا کلیجہ ظالم تری نظر سے
تیر نگہ کے پیکاں دونوں کمان پر ہیں

فصل بہار آئی غنچے چٹک رہے ہیں
جو خار ہیں چمن میں بلبل کی جان پر ہیں

کیا کیا ستم کئے ہیں سرخی نے تیرے لب کی
یہ خون عاشقوں کے اک ایک جان پر ہیں

کیسا ہے دل لگانا پوچھے یہ کوئی ہم سے
جتنے مزے کہ اٹھائے اب تک زبان پر ہیں

سینہ سپر کیا ہے اس آرزو سے ہم نے
تولے ہوئے وہ پیکان اپنے کمان پر ہیں

دلکو عجب تڑپ ہے ملتی نہیں تسلی
سارے جہاں کے صدمے اس نیم جان پر ہیں

برباد ہو رہی ہے مجھ ناتواں کی ہستی
چھائے ہوئے بگولے انکے مکان پر ہیں

بلبل سے کچھ نہ پوچھو کلیاں جو کھل رہی ہیں
گرتی ہیں سرد آہیں نالے زبان پر ہیں

جو کچھ ہے میرے دل میں کیا جانیں آپ اسکو
موقوف ساری باتیں میرے بیان پر ہیں

ہاتوں سے دلکو کھویا آنکھوں نے خون رویا
اب آہ اور نالے سب آسمان پر ہیں

بے چین ہوا ہے رخصت آتی ہے اب جوانی
رنگت نکھر رہی ہے جوبن اٹھان پر ہیں

آنکھیں تری غضب ہیں کیسی ہیں ستم ہیں
دیکھے ہیں گویا - او دونوں سان پر ہیں

سب آشیاں اجاڑے - دل بلبلوں کے توڑے
صیاد یہ مظالم تیری ہی جان پر ہیں

پلکیں تری نکیلی چھوڑینگی کسکو زندہ
یہ تیز تیر قاتل ہر دم کمان پر ہیں

جتنے اٹھائے صدمے الفت میں رشکؔ ہم نے
مشہور ہیں وہ قصے سب کی زبان پر ہیں

مشاعرہ

مصرع طرح - دل بھی دل دیکھا محبت بھی محبت دیکھی

اظہر - منشی محمد مظہر الحسن خانصاحب خلف مولوی نور الحسن خانصاحب حیرت تلمیذ حضرت برباد صاحب مرادآبادی

طعنے اپنوں کے سُنے صورتِ فرقت دیکھی
ہمنے کیا کیا نہ ترے عشق میں زحمت دیکھی

دلکے فانوس میں روشن ہے تری شمع جمال
گرمیٔ حسنِ تصور کی حرارت دیکھی

خار کو پہلوئے گُل میں بھی کھٹکتے دیکھا
خلشِ دہر سے انساں کو نہ فرصت دیکھی

تیر پہلو سے جو نکلا تو بڑی حسرت سے
زخمِ دل نے لبِ سوفار کی صورت دیکھی

عرصۂ حشر میں نکلے بھی تو ہمراہِ عدو
ہمنے اک اور قیامت میں قیامت دیکھی

کچھ سراسیمہ و مضطر تھے پریشان خاطر
دادخواہوں کی قیامت میں جو کثرت دیکھی

احقر - جناب بابو ممتاز حسین صاحب دہرہ دون

منتشر ہو گئے دیکھا نہ کسی نے مڑ کر
یہ بھی ہمنے رقیبوں کی رفاقت دیکھی

اے صبا یہ مرے دل سے کہدے جاکر
آج نازک ترے بیمار کی حالت دیکھی

رات بھر نالۂ شبگیر نے سونے نہ دیا
شبِ فرقت میں مصیبت کی [illegible] دیکھی

بات ہی بات میں تم روز بگڑ جاتے ہو
روٹھ جانیکی بڑی آپ میں عادت دیکھی

چاہ دل بھی نہ چھپا رنگِ محبت نہ چھپا
ہمنے احقر تری محرومیٔ قسمت دیکھی

بحر - منشی محمد حسین صاحب مرادآبادی تلمیذ حضرت شباب صاحب مرادآبادی

شوخیاں دیکھیں نگاہوں میں شرارت دیکھی
جو ادا یار میں دیکھی وہ قیامت دیکھی

وہ کہاں چھپتے ہیں دیتا ہے خدا حسن جنہیں
ایسے ویسوں ہی کو پردے کی ضرورت دیکھی

کوئے جاناں میں ذرا سر اگذر ہونے دو
میں قسم کھا کے یہ کہدونگا کہ جنت دیکھی

کچھ تو اللہ کی قدرت نظر آئی تمہیں
دیکھنے والوں نے جب تو تری صورت دیکھی

تم ہی کہدو کہ کبھی بحر کو غمگین دیکھا
تم ہی کہدو کبھی بگڑی ہوئی حالت دیکھی

اختر۔ اختر حسین طالب علم مشن اسکول تلمیذ حضرت شوکت مرادآبادی

تجلی ہوئے نجف شان مشیت دیکھی
کچھ مرے طالع بیدار کی قسمت دیکھی

ہمکو وحدت ہی نظر آئی جو کثرت دیکھی
ہم نے کثرت میں ہی کثرت سے ہی وحدت دیکھی

حشر میں آپ کی رفتار کی صورت دیکھی
ہم نے میدان قیامت میں قیامت دیکھی

بارک اللہ جمال نبوی کیسے آگئے
ہم نے والشمس کی اوتری ہوئی صورت دیکھی

آج ہی وعدۂ فردا پہ کہیں ٹال نہ دیں
سینکڑوں وعدے ٹلے ہیں تو قیامت دیکھی

شکوۂ جور و ستم حشر میں سب بھول گیا
اک یہی یاد رہا ہے اونکی جو صورت دیکھی

ہر خطا بخشی گئی حشر میں جب اے اختر
شافع روز جزا نے مری حالت دیکھی

اویسی۔ جناب حسن احمد صاحب شاگرد رشید جناب برباد صاحب مرادآبادی

میرا بھی پاس عدو کا بھی سر پاس رہے
کچھ عجب اسکی طبیعت میں طبیعت دیکھی

غیر کو غیر نہ سمجھا کبھی دشمن بن کر
دل کو دل دیکھا محبت بھی محبت دیکھی

اے اویسی میں ہوا شیفتہ اونپر جب سے
اونکی ہر روز عنایت پہ عنایت دیکھی

برباد۔ جناب منشی محمد اسمعیل صاحب ابوالشیاق مرادآبادی

سر فروشوں نے پرے ظلم کی کثرت دیکھی
حد مقتل سے ملی حد قیامت دیکھی

میرے دامن کو نہ کانٹوں نے چھڑایا تونے
تری ہمدردی بس اے وادیٔ غربت دیکھی

کیوں بہار آتے ہی صیاد تیری تیز ہوئی
شاید کہ قید سنا مری شکایت دیکھی

اب زمانہ بھی مری آکے مصیبت دیکھے
میں نے آنکھوں سے زمانہ کی مصیبت دیکھی

آپ پردے میں ہیں پردہ جلا رکھا ہے
گرمی حسن خداداد کی حرکت دیکھی

سر پہ رہتا ہی سدا اونکے حسینوں کا ہجوم
اب وہ آباد ہے برباد کی حالت دیکھی

تاباں ۔ جناب منشی شیت اللہ صاحب دہرہ دون

حضرتِ عشق کی کیا کیا نہ عنایت دیکھی
رنج پہ رنج مصیبت پہ مصیبت دیکھی

محفلِ غیر میں جب آپکی صورت دیکھی
پھر نہ دکھلائے خدا اپنی جو حالت دیکھی

باتوں باتوں میں بنا لیتے ہیں مطلب اپنا
یہ حسینوں ہی میں اک ہمنے فصاحت دیکھی

بےوجہ ہوتے ہو تم مجھ سے خفا جو ہر دم
مجھ سے بڑھ کر کوئی کیا غیر کی شفقت دیکھی

جوہر ۔ بابو گینندا لال صاحب مراد آبادی اسسٹنٹ گڈس کلرک دہرہ دون

صبحِ غم دیکھی کبھی اور شبِ فرقت دیکھی
عشق میں آپکے کیا کیا نہ مصیبت دیکھی

روز آنکھوں سے یہ کہتا ہے خیالِ تعبیر
خواب میں بھی نہ کبھی یار کی صورت دیکھی

ہجرِ جاناں میں گذرتی ہی جو مجھپر سختی
دلِ بےتاب یہ سب تیری بدولت دیکھی

ذبح کرتے ہوئے تکبیر بھی بھولا ظالم
طبعِ جلاد میں کس درجہ کی عجلت دیکھی

دلِ ناشاد کبھی شاد نہ دیکھا جوہر
ہر گھڑی مدِ نظر رنج کی صورت دیکھی

حلیم ۔ جناب عبدالحلیم صاحب نگینوی دہرہ دون

جس نے اے شاہِ عرب آپ کی تربت دیکھی
اس کے دلمیں نہ کبھی خواہشِ جنت دیکھی

نہ رہا وعدہ دیدار الٰہی کا خیال ...
جب رسولِ عربی آپ کی صورت دیکھی

سب گنہگار گئے خلد میں حضرت کے طفیل
حشر کے دن مرے آقا کی شفاعت دیکھی

تو ہر اک شے سے جدا تجھ سے ہر اک شے ہی جدا
پھر بھی ہر شے میں نمایاں تری صنعت دیکھی

شکلِ احمد ہی سے ظاہر تیرا جلوہ یا رب
یہ وہ آئینہ ہی جس میں تری صورت دیکھی

خلیل ۔ منشی محمد اسمٰعیل صاحب شاہجہانپوری حال وارد دہرہ دون

رہ رہ کے کو جگر غم کی یہ علامت دیکھی
اس کو دنیا کی ہر اک چیز سے نفرت دیکھی

کر دیا زار تپِ عشق نے اسد جب تجھے
عار ہی آئی جب اُس نے مری صورت دیکھی

رحم آ ہی گیا اللہ رے شانِ رحمت
شافعِ حشر نے جسدم مری صورت دیکھی

تخت سے تاج سے دولت سے وطن سے گھر سے
تیرے دیوانوں کو ہر چیز سے نفرت دیکھی

جلوۂ مہر ہو یا پرتو رخسار بتاں
ہم نے ہر چیز میں اللہ کی قدرت دیکھی

آتش غم کے جلوں کو نہیں پروائے نمود
کس نے دنیا میں ہے پروانہ کی تربت دیکھی

ہنس کے تصویر نے منہ پھیر لیا اپنا خلیل
بزم خلوت میں بھی بگڑی مری نیت دیکھی

سفیر۔ منشی محمد عباس خاں صاحب تلمیذ حضرت دبیر صاحب رڑکی

رنج سے غم سے مصیبت سے نہ مہلت دیکھی
حضرت عشق کی جس روز سے صورت دیکھی

ناز وحشت پہ بجا کرتا ہے اپنی مجنوں
اس نے کس دن ترے دیوانہ کی وحشت دیکھی

عیب سے خالی حسین کب ہیں بجز ذات خدا
دل میں گل آئینہ رویوں کے کدورت دیکھی

فتنے ہر گام پہ اٹھتے ہیں مری جاں لاکھوں
جس نے دیکھی تری رفتار قیامت دیکھی

ہم سے بدبخت ہوں کیا عیش وطن سے واقف
ہوش جس دن سے سنبھالا تو غربت دیکھی

ہو اگر کوچۂ بتاں میں کبھی زاہد کا گذر
کہہ اٹھے دیکھ کے فوراً ہی کہ جنت دیکھی

مل کر اس عہد میں ہر ایک سے دیکھا ہے سفیر
نام تک کو بھی کسی میں نہ محبت دیکھی

شوکت۔ ابن ڈاکٹر شوکت حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ ہذا مرادآبادی

ہنس دیے نزع میں مجھ پر جو مصیبت دیکھی
یہی کیا کم ہے کہ بیمار کی صورت دیکھی

ڈر گئے سہم گئے جب مری صورت دیکھی
وہی جانیں کہ جو صدمہ تھا جو حالت دیکھی

دل مٹے سینکڑوں لاکھوں کے جنازے اٹھے
کوئی بتلائے تو دل کی کہیں تربت دیکھی

ہم کو ظالم ترے وعدوں کا یقیں آج کیا
مژدۂ مرگ سے روز قیامت دیکھی

خاک میں ملکے عبادت گہہ مخلوق بنے
آپ نے خاک نشینوں کی بھی عزت دیکھی

موت کا خوف جو رکھتا تو فنا ہو جاتا
سبب زیست ہوئی ہے مری غفلت دیکھی

اف وہ ناکام محبت سے یہ فرماتے ہیں
تجھکو قسمت پہ بڑا ناز تھا قسمت دیکھی

کبھی آرام نہ دیکھا وہ مقدر پایا
کبھی راحت سے نہ بدلی وہ مصیبت دیکھی

شوقِ دیدار ہے پر آنکھ ہو نہیں دم اٹکا ہے
مجھکو مرنے نہیں دیتی مری حسرت دیکھی

بنکے بگڑے نہ کبھی اور بگڑ کر نہ بنے
غیر کا ہے وہ نصیب اپنی یہ قسمت دیکھی

عالمِ نزع میں جمعیتِ دل حاصل ہے
پیار کی نظروں سے کس نے مری صورت دیکھی

ناتوانی ہی نے سب کام بگاڑے شوکت
آگیا رحم انھیں جب مری صورت دیکھی

شوق ۔ جناب مرزا مظفر بیگ صاحب دہرہ دون

عشق میں ہم نے مصیبت ہی مصیبت دیکھی
عیش دیکھا نہ کبھی اور نہ راحت دیکھی

نہ ستم دیکھا کسی کا نہ عنایت دیکھی
اری دنیا نہ بدلتی تری حالت دیکھی

کیا کہیں عشق میں ترے جو مصیبت دیکھی
عیش جانا اسے اپنے وہی راحت دیکھی

ہوکے مایوس بڑا ارمان ہوا تھا کوئی
قبر عاشق پہ برستی ہوئی حسرت دیکھی

آہ کرتا ہوں تو کچھ چین سا آجاتا ہے
تیر کے ساتھ جو نکلی مری حسرت دیکھی

حشر کے روز قیامت کو تو کوئی دیکھیگا
ہم نے دنیا میں تری چال قیامت دیکھی

پتہ پتہ سے ہویدا ہے فسوں سازی تری
ذرے ذرے میں نہاں ہے تری قدرت دیکھی

کارِ دنیا سے مجھے مہلت نہیں ملتی اے شوق
کہہ لیا شعر کوئی جب کبھی فرصت دیکھی

شباب ۔ قاضی حکیم مولوی احمد حسین صاحب لسان الہند مراد آبادی

ہوئے دولت دیدار سے ہم مالا مال
خواب میں بھی نہ کبھی آپکی صورت دیکھی

کشتۂ ناز کی گلشن میں جو تربت دیکھی
خونِ عاشق کی ہر اک شاخ میں رنگت دیکھی

تم نے کوسا جسے میں اسکو دعائیں سمجھا
مجھکو جو رنج ہوا رنج میں راحت دیکھی

غرض مطلب یہ نکالا مجھے اپنے گھر سے
کبھی قسمت نہ نکلتی ہوئی حسرت دیکھی

اے شباب دیکھ جب صبح چمن کو آیا
چھپکے پہلو میں کوئی چاند سی صورت دیکھی

صوفی ۔ شیخ کلن صاحب مراد آبادی تلمیذ شوکت ارکا پور

بے حجابانہ عجب نور کی صورت دیکھی
جب سے سالک ہے فقط تجلی کو بھی حیرت دیکھی

کوچۂ عشق کی راہیں ہیں نہایت دشوار
بڑھ گئیں جسکو اذیت میں بھی راحت دیکھی

وقت ملتا ہی نہیں صوفی کو کبھی لکھنے کا
شعر کہہ لیتا ہے جس وقت کہ فرصت دیکھی

صہبا۔ جناب منشی علی حسین صاحب کہنہ مشق مرادآبادی

ہو گیا لوٹ جہاں چاند سی صورت دیکھی
بوالہوس دل تری منہ دیکھی محبت دیکھی

کیا کہیں کیا ترے بیمار کی حالت دیکھی
دم نکلتا ہوا اٹھتی ہوئی حسرت دیکھی

نام ہی نام قیامت کا سنا کرتے تھے
آج پہلو سے وہ اٹھے تو قیامت دیکھی

شادیٔ قتل سے دل لوٹ گیا پہلو میں
دیکھ کر تیغ جو اس نے مری صورت دیکھی

کعبہ و دیر پہ موقوف نہیں طاعت عشق
کر لیا سجدہ جہاں یار کی صورت دیکھی

ڈالکر خاک سر سے منہ پہ چلے موڑ کے منہ
زندگی بھر کے رفیقوں کی رفاقت دیکھی

دل وہ دل ہے تری صورت کا بندھا ہے جس میں خیال
آنکھ وہ آنکھ ہے جس نے تری صورت دیکھی

مجھ گنہگار کو آغوش میں رحمت نے لیا
کام کی چیز سر حشر ندامت دیکھی

حال موسیٰ تو پس جلوہ نمائی پہنچا
اک نظر طور کی بھی آپ نے حالت دیکھی

جب گرایا ونیہ ساقی کے گرا تو صہبا
ہم نے ہشیاری سے بڑھکر تری غفلت دیکھی

عالم۔ جناب شیخ عالم حسین صاحب ڈہرہ دون

جان کہتے ہے کہ اس شوخ کی صورت دیکھی
ہم نے ان آنکھوں سے اللہ کی قدرت دیکھی

ہو گئی ہو گی جسے حشر کی تمنا ہو گی
مٹنے والوں نے تری چال قیامت دیکھی

آنکھ بیمار محبت کی کھلی دم آیا
آخری وقت میں جب یار کی صورت دیکھی

روز ٹھوکر سے جگاتے گئے سونیوالے
روز اٹھتی ہوئی کمبخت قیامت دیکھی

ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہے وہ ستمگر عالم
ایسی بگڑی ہوئی کمبخت کی عادت دیکھی

عطا - ممتاز الشعرا جناب حاجی عطا محمد صاحب بدایونی وکیل میونسپل کمشنر چیئرمین تلہر ضلع شاہجہانپور - یادگار حضرت داغ دہلوی -

نعت شریف

شب معراج عجب شان محبت دیکھی
ایک ہی ناظر و منظور کی صورت دیکھی

زائر طیبہ ہوں زاہد مری قسمت دیکھی
ہے یہ پاؤں سے ملتی ہوئی جنت دیکھی

مظہر ذات حقیقت ہے نبی کا چہرہ
اسی آئینہ میں اللہ کی صورت دیکھی

آؤ طیبہ میں کہا ہے تمہیں جلوا موسیٰ
تم نے کب طور پہ تنویر حقیقت دیکھی

ہو گیا وعدۂ دیدار الٰہی پورا
دیکھنے والوں نے جب آپکی صورت دیکھی

اس کی آنکھوں میں جہاں گلشن جنت کا تھا
جسنے سرکار مدینہ تری تربت دیکھی

نظر آتا نہیں کچھ مجکو محمد کے سوا
جسطرف آنکھ اوٹھی آپکی صورت دیکھی

انکے صدقہ میں ہوے داخل جنت عاصی
حشر میں شافع محشر کی شفاعت دیکھی

مجکو مولا سے تصور میں ملا ہے سب کچھ
کان سے بات سنی آنکھ سے صورت دیکھی

اور کیا [illegible] یہ محشر میں شفیع محشر
آپ کی بات سنی آپ کی صورت دیکھی

نہ گیا دل سے نبی کے کبھی امت کا خیال
بزم وحدت میں عطا صورت کثرت دیکھی

علم - منشی الطاف حسین صاحب مرادآبادی

دل چرا لیتے ہیں جب وہ نگہ ملاتے ہیں کہاں
چور کے روبرو یہ شاہ کی عزت دیکھی

طور بے طور ہیں کس طرح سے اب تبدیل
کیا کسی شوخ طرحدار کی صورت دیکھی

کیا لکھوں کیسے گذرتے ہیں مری زیست کے دن
جب سے اے شوخ تری سانولی صورت دیکھی

علم کو ذبح کیا ڈال کے چہرہ پہ نقاب
دم آخر بھی ستمگر کی شرارت دیکھی

قابل - مرزا نظام الحسن صاحب مرادآبادی

تو نے کیا دیکھا جو آئینہ کی حیرت دیکھی
ہم نے او دیکھنے والے تری صورت دیکھی

آئینہ دیکھتا وہ بھول گئے خود بینی
تو جو حیرت ہوئے جب اپنی حقیقت دیکھی

ہر بحثہ تری نہ قامت سے فتنہ اٹھے
ہم نے یہ اور قیامت میں قیامت دیکھی

گل گانی سے بیری ہیئت میں بھی کیا تنگ تھا
تم نے کیوں منہ سے کفن کھول کے صورت دیکھی

نغمہ گلوں جو کسی سے تری آواز سنی
شکل دیکھی جو کسی کی تری صورت دیکھی

طالب عفو ہوئے ظلم کا دعوی کیسا
اُن کے چہرے پہ جو محشر میں ندامت دیکھی

کر دیا سادہ مضامین سے دل کو بیچین
اہل محفل کہو قائل کی فصاحت دیکھی

کاشفی - جناب آقا مرزا محمد مہدی حسن صاحب مراد آبادی

ہم نے دیکھی یا نہ بھی ہوئی قسمت دیکھی
عشق اکبر میں جو شبیر کی حالت دیکھی

معجزہ شہ نے قیامت کی قیامت دیکھی
کہ گھڑی بھر میں بہتر کی شہادت دیکھی

آدمی کیا کہ فرشتہ بھی تحمل نہ کریں
بھاگ سانی شہ نے جو مقتل میں اذیت دیکھی

خوف سے لشکر اعدا کے چھکے چھوٹے
رن میں جب حضرت عباس کی جرأت دیکھی

قطعہ

اک عجب کفر میں اسلام کا نقشہ دیکھا
یعنی دوزخ سے نکلتی ہوئی جنت دیکھی

حُر جو تھا لشکر کفار کے سرداروں میں
ہم نے اسکی سی کبھی دنیا میں قسمت دیکھی

اس طرف دار تھا اور ادھر دار بہشت
اُس طرف نار ادھر نور کی صورت دیکھی

بھائی فرزند و غلام اور حُر نمازی نے
شاہ کے ساتھ شہادت میں لذت دیکھی

لشکر شام میں کی صبح تو فردوس میں شام
دل منور ہوا جب نور کی صورت دیکھی

نعرہ سے شام کی نکلا تو شہادت پائی
کاشفی ایسی کسی کی بھی نہ قسمت دیکھی

کلیم - سید محمد ناصر علی رضوی پی-ایچ-بی-ایل-ایل اکبر آبادی جانشین حضرت دولہا

دل کی ہستی ہے اگر دل کی جو صورت دیکھی
اس کے ہر گوشے میں دنیائے محبت دیکھی

آپکی بزم میں اغیار کی شرکت دیکھی
یہیں دوزخ نظر آیا یہیں جنت دیکھی

دیتے تھے کہیں ملتے ہوئے دل کا احوال
نہ کسی نے دیکھی جو صفر دل کی کدورت دیکھی

صبحِ وصل آنکھ میں تاریک تھی ساری دنیا | دن میں آتے ہوئے ہم نے شبِ فرقت دیکھی
جابجا بزم میں دیکھی تری تصویرِ شباب | جابجا نقشِ در و دیوار قیامت دیکھی
ہمنشیں کیلئے بے چین ہے ہم بعد فنا | آگیا چین جو بیٹھی ہوئی تربت دیکھی
غیر کے نام سے نفرت مرضِ غم میں رہی | غیر ہوتے نہ کسی نے مری حالت دیکھی
ہم نے وہ شمع نہ دیکھی کبھی ٹھنڈی ہوتے | جس نے محفل میں تری گرمیٔ صحبت دیکھی
جنتیں آٹھ فقط ہم نے سنی تھیں لیکن | اک نئی اور تری بزم میں جنت دیکھی
محوِ آرائشِ محفل بھی غضب ہی جس میں | جذب ہوتے ہوئے اکثر شبِ عشرت دیکھی
فتنہ سامانیٔ ہنگامہ یونہی کیا کم ہے | تم نے کیا حشر میں آئینہ کی ضرورت دیکھی
محو تھا بیخودیٔ شوق کی نیرنگی میں | شام سے ہم نے گذرتے شبِ عشرت دیکھی
آپ سے داغِ زمانہ سے الم جرح سے درد | لے لیا جس سے جہاں جیسی ضرورت دیکھی
دیکھی آنکھ کی قسمت جو نظر کی تقدیر | پردہ اُٹھا بھی تو ہم نے نہ وہ صورت دیکھی

گل۔

جناب آغا محمد جان صاحب کاشمیری دہرہ دون

خاک موسیٰ نے سرِ طور حقیقت دیکھی | دیکھنے والے نے دیکھی تری صورت دیکھی
ذرہ ذرہ میں جھلکتی تری صنعت دیکھی | ذرہ ذرہ میں عیاں تری حقیقت دیکھی
ماسوا تیرے ہر ایک شوق مٹایا جسنے | شعلہ زن سینہ میں وہ آتشِ الفت دیکھی
ہم نے ہمیشہ ترے کرم کو پایا | مائل طرزِ تغافل تری فطرت دیکھی
پائی اک گونہ تسلی مرے دل نے پائی | غیر کے حال پہ جب تری عنایت دیکھی
دل پوچھتے ہیں اب سرِ بالیں آکر | بات کرنے کی نہیں جب گلِ میں طاقت دیکھی

نامی۔

جناب امیر حسن خاں صاحب مرادآبادی یادگار حضرت رسا مرحوم شاعر دربار رامپور

روز تازہ قیامت شبِ فرقت دیکھی | ایسی سرکار کے ہوتے یہ مصیبت دیکھی
شامِ غم دردِ دلی پہلو میں وہ شدت دیکھی | دل کی سو بار بدلتے ہوئے رنگت دیکھی
جسکو کہتے ہیں قیامت وہ کبھی آئیگی | ہم نے ہر روز نہیں تازہ قیامت دیکھی

اک قیامت تری آمد میں نظر آئی تھی
دوسری اور قیامت دمِ رخصت دیکھی

دم تو نکلا تری فرقت میں مگر مشکل سے
پوچھئے دیکھنے والوں سے جو حالت دیکھی

رنج کا نام بھی لب تک نہ کبھی آیا تھا
جب سے چاہا ہے تجھے ہر ایک مصیبت دیکھی

تابِ نظارہ کہاں جلوۂ بیتاب کہاں
ہوش باقی نہ رہے جب تری صورت دیکھی

نگہِ شوق نے ہمکو نہ کہیں کا رکھا
اور صورت ہوئی دل کی جو وہ صورت دیکھی

ہم نے سوچا تھا کہ محشر میں کرینگے فریاد
ظلم سب بھول گئے جب تری صورت دیکھی

اپنے بیگانے میں عزت تھی ہماری ناقی
جب سے رکھا ہے قدم عشق میں ذلت دیکھی

ناظر۔ جناب حکیم ناظر الدین احمد دہلوی پروپرائٹر رسالہ ہذا دہرہ دون

اُن کے عارض پہ عجب خال کی زینت دیکھی
ہم نے قرآن میں دیکھی تو یہ آیت دیکھی

ہم وہ غم دوست ہیں یارو کبھی تنہا نہ رہے
وہ چلے اُٹھ کے تو پہلو میں قیامت دیکھی

کبھی مے پی کبھی مسجد میں گیا او زاہد
تری ہر روز بدلتی ہوئی نیت دیکھی

طپشِ دل سے جلے حسرت و ارماں سارے
شمع نے پھونکا جو پروانوں کی کثرت دیکھی

نام سنتے تھے قیامت کا ازل سے لیکن
آج ہم مر کے جیے ہیں تو قیامت دیکھی

ہل گیا قبر میں دل خوب مسیحائی کی
نگہِ قہر سے اچھی مری تربت دیکھی

پاؤں پھیلاتے ہیں چادر میں بقدرِ وسعت
شعر لیتے ہیں ہم جتنی ضرورت دیکھی

جلوہ افروز ہوئے وہ جو مرے دل میں ناظر
آج آئینہ میں آئینہ نے صورت دیکھی

واحد۔ جناب منشی عبد الواحد صاحب دہرہ دون

جذبۂ عشق کا ہم نے یہ عنایت دیکھی
جسطرف آنکھ اُٹھی یار کی صورت دیکھی

دل کے آئینہ میں جب یار کی صورت دیکھی
جو نہ دیکھی تھی کبھی اپنی وہ حالت دیکھی

کر لیا ہائے سر کے لیے بتوں نے قبضہ
آج اللہ کے گھر پر بھی حکومت دیکھی

داغ دل مرا ہوا چاند سے افزوں روشن
میں نے جب خواب میں اس ماہ کی صورت دیکھی

آپ سے آپ چلے آئے وہ میرے گھر پر
اپنی قسمت سے یہ اچھی کوئی قسمت دیکھی

مجھکو دم توڑتے دیکھا تو وہ ہنسکر بولے
دل لگانے کا مزا دیکھا محبت دیکھی

امتحاں لیکے مرا مجھسے کہا قاتل نے
دل بھی دل دیکھا محبت بھی محبت دیکھی

ہوش ۔ جناب عبدالرحمن صاحب ڈرافٹسمین کہنہ مشق دہرہ دون

حرم و دیر میں گھر گھر تری چاہت دیکھی
کہیں صورت تری دیکھی کہیں سیرت دیکھی

غیر کے ساتھ جو وہ چاند سی صورت دیکھی
چاندنی رات میں تاریکی وحشت دیکھی

اک پروانہ ہوا شمع کو پروانہ ہوئی
دل بھی دل دیکھا محبت بھی محبت دیکھی

عرش اعظم پہ گیا رہبر کامل ہو کر
جستجو ہوں میں سراپا مری رفعت دیکھی

اتنے بیٹھے رہے اٹھتے رہے فتنہ لاکھوں
جب اٹھے آپ قیامت پہ قیامت دیکھی

ٹھیس لگ جائے ذرا سی تو ہو پارہ پارہ
شیشۂ آئینہ سخنور کی طبیعت دیکھی

رنج و غم درد و الم دل میں سدا رہتے ہیں
ہوش اس شمع شبستاں میں نہ عشرت دیکھی

نوٹ ۔ یہ غزلیں بوجہ علیحدہ ہو جانے کے ذیل غیر ردیف درج کی گئیں ۔

اکرام ۔ منشی اکرام علی صاحب دہرہ دون

نقد دل دیکے تمہیں ہم نے یہ راحت دیکھی
غم پہ غم دیکھا مصیبت پہ مصیبت دیکھی

بے مروت یہ تری ہم نے مروت دیکھی
غیر کے حال پہ دیکھی تو عنایت دیکھی

دھڑکے ملکے میرے مجھسے یہ فرماتے تھے
دل بھی دل دیکھا محبت بھی محبت دیکھی

ناگہاں جل جل کے ہوئی اپنے دل و دین اعدا
مجھ پہ اکرام جو اعدا کی شفقت دیکھی

مہر ۔ جناب ایس ۔ ایچ مہرالدین صاحب مرادآبادی

کھنچ گیا جب مری بے چین طبیعت دیکھی
دیکھی دیکھی بت مغرور کی نخوت دیکھی

بے نقاب آئے نظر مجکو وہ روز محشر
میں نے یہ اور قیامت میں قیامت دیکھی

مہر ذرہ کو کیا عشق نے ماہ تاباں
خوب یہ ہم نے مجازی میں حقیقت دیکھی

خریداران "شمع تجلی"

کو ایک روپیہ بارہ آنہ ادا کرکے بھی بعد ایک سال کے رسالہ مفت پڑھیگا۔ کیونکہ ماہ جولائی سے ایک ناول جسکی قیمت مبلغ دو روپیہ سے کم نہیں ہوسکتی اُس کے ۴ صفحے ماہوار رسالہ میں شامل ہوا کرینگے۔ اُمید ہے کہ ناظرین اُس کو ضایع نہ کرینگے چونکہ سال تمام پر ایک ناول مجلد بنجائیگا۔ (اڈیٹر)

معشوقہ عرب

یہ ایک نہایت دلچسپ اور دل آویز ناول ہے جسمیں عراقی اور عربوں اور بدوؤں کی طرز معاشرت اور اُن کے قدیمانہ حکومت کا نقشہ ہمارے عنایت فرما جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کھینچکر عنایت کیا ہے۔

پہلا باب

سرمہ ہو تمام طور جل کر
یہ حُسن کی سب شرارتیں ہیں

رات کا پہلا حصہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ موسلا دھار پانی برس کر تھم گیا ہے چاند نئی نویلی دُلھن کی طرح شوخیاں کررہا ہے کبھی کالی کالی نقاب کو چہرہ پر ڈالتا اور کبھی اُٹھا دیتا ہے۔ تارے کہیں کہیں نمودار ہوتے جاتے ہیں بادل

ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر بات کی بات میں اوڑے جا رہے ہیں - آسمان قریب قریب صاف ہو گیا ہے - اب چاند اپنی پوری روشنی کے ساتھ جلوہ افروز ہے - مرطوب ہوا خراماں خراماں چل رہی ہے - اور اپنے ہلکے تھپیڑوں سے دریائے فرات کی ہموار سطح پر خفیف تلاطم پیدا کر رہی ہے - دریا کسی معشوق گل اندام کی کمر کی طرح بیسیوں بل کھاتا ہوا گذرتا ہے اور آغوش مادر کوہ کی مفارقت پر کنارے سے ٹکرا ٹکرا کر شور مچا رہا ہے -

ابھی اس سیر سے سیری ہوئی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آہٹ سنائی دینے لگی اس لق و دق میدان میں جہاں قرب جوار میں کوئی آبادی کا نشان نہیں ہے رات میں ایسے وقت سواروں کا نظر آنا خالی از علت نہ ہوگا - آؤ دیکھیں کہ یہ کیا ماجرا ہے گو ابھی کسی قدر فاصلہ پر ہیں مگر یہ ہمارے مسافران شب ٹھیک اس چوبی پل کا رخ کئے ہوئے چلے آتے ہیں جو دریائے فرات پر بنا ہوا ہے - پل کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ اس میں کاریگری کا لحاظ کیا گیا ہے نہ مضبوطی کا - معمولی دیہاتی کاریگروں کا بنایا ہوا صرف مقامی لوگوں کے استعمال کرنیکا معلوم ہوتا ہے - لیکن اگر غور سے دیکھیں تو پل کی آخری پٹریاں آپس میں اس طرح پیوست کی ہوئی ہیں جیسے خودکار ٹوٹنے والے پلوں کی دیکھی جاتی ہیں - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پل کسی معمولی مقصد کے لئے نہیں بنا ہے -

ہم ناظرین کو پل کی پوری سیر نہ کرا چکے تھے کہ سیاحان شب قریب پہنچ گئے اور ہماری حیرت اور تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ یہ تمام سوار مرد نہیں عورتیں ہیں - ابتو ناظرین کو سراپا مشتاق ہونا پڑے گا کہ آخر ان نونہالان فرقہ اناث کو کونسی چیز شب میں گھروں سے نکال کر لائی ہے - خیر دیکھیں خود معلوم ہو جائیگا - جب پل سے کچھ فاصلہ پر رہ گئیں تو اپنے اپنے گھوڑوں

اُتریں۔ باگ ڈوریں گردنوں سے کھولیں اور چھوٹی چھوٹی مضبوط جھاڑیوں سے باندھ دیا۔ خود آگے بڑھیں اور دریا کے ریت پر پہنچ کر یہ پیاری پیاری نازک اندام نوعمر حسین عرب لڑکیاں نشۂ جوانی میں چُور دریائے فرات کے کنارے پر اٹھکھیلیاں کرنے لگیں ؎

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا ٭ دو دغاباز کے پھندے میں ہے جوبن اُن کا

ان میں سے ہر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی پیرہن جو اہلِ فرنگ کی مستورات کے سائے سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن اس میں آستین نہیں زیبِ تن کئے ہوئے ہے۔ یہ خوبصورت اور دلفریب لباس نرم و نازک جسم پر چسپاں ہو کر صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اس کے سوا شعلہ رویوں میں سے کسی کے بدن پر اور کوئی کپڑا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بدن کا زیریں حصہ بھی گھٹنوں تک ادھا ہی ڈھکا ہوا ہے۔ ہر ایک نے سُرخ ریشم کا ایک ہلکا سا کمر بند باندھ رکھا ہے جس کی وجہ سے سینہ کے ابھار میں ایک خوبصورتی نمایاں ہے ؎

اپنا سینہ دیکھ کر کہتی ہیں یہ آفت ہی کیا ٭ کچھ ادھر اُدھر ابھرا ہوا ہے کچھ اِدھر اُبھرا ہوا

نازک نازک کلائیوں میں بجائے زیور کے سیاہ ریشمی فیتے پڑے ہوئے ہیں ؎

سیاہ چوڑی بدستِ ایں نگارے ٭ بہ شاخِ صندلین پیچیدہ مارے

سیاہ ریشمی رومال ہر ایک نے اپنے اپنے سر پر باندھ رکھا ہے اور اسی سے چوٹی کا وہ حصہ جو گردن کے پیچھے ہوتا ہے۔ کس رکھا ہے اور باقی بالوں کو جو گز گز بھر سے بھی زیادہ دراز ہیں۔ کالی ناگن کی طرح ہوا میں لہرانے کے لئے چھوڑ دیا ہے ؎

ایک تو حسن بلا اور یہ بناوٹ آفت ٭ گھر بگاڑینگے ہزاروں کے سنورنے والے

اِن نخرے کی پلی ہوئی دوشیزہ لڑکیوں کے پاؤں مثلِ حسینانِ فرنگ جرابوں

اور ہونٹوں سے آشنا نہیں ہیں بلکہ صرف باریک چرمی تسموں سے بنے ہوئے کفشوں پر قناعت کرتی ہیں بھولی بھالی سیدھی سادھی دوشیزہ لڑکیاں جن کو شہری لڑکیوں کی طرح ذرا بھی دنیا کے نشیب و فراز سے واقفیت نہیں عجب الڑہپن سے کھیل کود میں مصروف ہیں لیکن ذرا سی آہٹ کے ساتھ بار بار چوکنی ہو جاتی ہیں اور سہمکر دل کی طرف بغور دیکھنے لگتی ہیں اُن کے ننھے ننھے دل خوف سے کانپنے لگتے ہیں اور چہروں پر جو شل گلاب شگفتہ ہیں ایک ہلکی سی زردی آکر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں لیکن اس کا اثر چند لمحوں تک رہتا ہے پھر بحال ہو کر یہ حسن کی دیویاں ویسی ہی اٹکھیلیاں کرنے اور ایک دوسرے کو چھیڑنے لگتی ہیں۔ کوئی کسیلی چٹکی بھرتی ہے اور دوسری تلملا کر اپنا بدلا لینے کے لئے اُس کے پیچھے دوڑتی ہے کوئی بچوں کی طرح مچلنے لگتی ہے۔ کوئی کسیلے گل سے رخساروں کو آزردہ کرتی ہے کوئی کسی کے نازک نازک ہونٹوں کو مسل ڈالتی ہے۔

صورتوں میں خوب ہونگی شیخ گو حور بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

یوں تو ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حسن میں لاجواب اور بینظیر ہے لیکن وہ لڑکی جو بائیں جانب کھڑی ہے اور ابھی ابھی عذرا افغاتون کے نام سے پکاری گئی ہے وہ سب میں فوقیت رکھتی ہے۔ اُس کی ہر ادا نرالی اور ہر انداز انوکھا ہے۔ عذرا کی شکل و صورت سے رعب و دبدبہ اور شان و شوکت ٹپکتی ہے اگرچہ مشرقی شمائل عذرا اپنی ہم جولیوں میں یہ امر کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتی کہ وہ سب سے رتبہ میں بڑی ہے لیکن تاہم اُس کی ہجولیوں کو ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ کوئی امر ایسا واقعہ نہ ہو جائے جو عذرا کی طبیعت کے خلاف ہو۔ (باقی آئندہ)

یہ شمع تجلّی بھی ہے ایک طور کا نقشہ

شعلہ کس کا ہے نور کس کا ہے   موسیٰ تھے کون طور کس کا ہے
مظہرِ ذات احدیت ہے یہ   اور جہاں میں ظہور کس کا ہے

تمامی تخلیق عالم میں وہ کونسی چیز ہے جو انوار حقیقت سے متجلّی نہیں ہے یا کون سا ذرے سے ذرّہ ہے جو اُس جہاں تاب کے پرتو سے اپنی خوبی اور یکتائی میں آفتاب نہیں موسیٰ علیہ السلام اور طور سینا کا یہ ایک امر واقعہ ہے جو جلوہ ایزدی کا مظہر حقیقت ہوا لیکن اہل دانش وبینش کی نظروں میں وہ ذات اپنی پرتو جہاں آراء سے ہر ذی روح وغیر ذی روح حیوانات نباتات جمادات سبکو علی قدر مراتب ظرف کوہِ طور بنائے ہوئے ہے شمع تجلّی کے انوار وبرکات خود ہمارے دعوے کے شاہد ہیں۔ اسکے ضیاء فیض رساں سے اسکے منفعت سے اسکی خوبیہائے گوناگوں سے کس کو انکار ہے شب تار میں بینا باوجود بینائی کے نابینا ہوتا ہے جب اسکی تجلّی منعکس ہوتی ہے تب وہ سرتاپا متجلّی ہو جاتا ہے۔

رسالہ ہذا میں مشارکت اسمی کے علاوہ قدرے تشبّہ بھی ہے چونکہ مشعل علم ہے یہ وہ روشنی ہے جسکی جھلک سے مادرزاد اندھا بھی صاحب نظر بنجاتا ہے اس کی وہ تابش ہے جس کی ضیاء سے جہالت کی تاریکی دُور ہوتی ہے نادانی کی ظلمت جاتی رہتی ہے ہر سینہ مشارق الانوار بنجاتا ہے اور اسکی ضو سے

بساط دل منور ہو جاتی ہے اور کیوں نہو شعرا تلامیذ الرحمن ہیں انہی کی وساطت سے تمامی رسائل و صحائف اُن کی جلوہ افگنی سے طور سینا بنے ہوئے ہیں مگر افسوس صد افسوس آج موسیٰ نہیں ہم کو تو شب کور ہے شمع تجلی کو کس طرح دیکھیں مناسب ہے کہ کحل البصر سے اپنی چشم کور کو اس قابل بنائیں جو ان سے متمتع ہوں۔ (ابو المصطفیٰ)

سمندر کے کنارے

(از جناب مولانا مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی)

دوپہر کا وقت ہے چہرہ ہوا کا صاف ہے
شوخ ہیں سورج کی کرنیں آسماں شفاف ہے
تلملا کر اُٹھتی ہیں موجیں سمندر کی تمام
ناچتی ہیں اور اسی دُھن میں ہیں رہتی صبح و شام
دُور سے آتے نظر ہیں کچھ جزیرے نیلگوں
آسماں ہے دیکھ کر حیرت سے جن کو سرنگوں
ان جزیروں میں پہاڑوں کی ہے جو پہلی قطار
برف کے تودے ہیں اُن کی چوٹیوں پر آشکار
دھوپ کا پڑتا ہے اُن پر ارغوانی رنگ جب
دیکھنے والوں کو حُسن اُن کا نظر آتا ہے تب
اُٹھتی ہے ہر دم سمندر سے تموج کی صدا
چہچہاتے ہیں پرند اور سرسراتی ہے ہوا

راگ بنتی ہیں صدائیں جب یہ ہوتی ہیں بہم
مست ہو کر ناچتا ہوں سن کے میں یہ زیر و بم
اٹھتی ہیں رل رل کے موجیں اور بکھر جاتی ہیں وہ
سطح پر تاروں کی اک بارش سی کر جاتی ہیں وہ
ریت پر بیٹھا ہوں میں تنہا۔ عجب مستی میں ہوں
ہوں جو از خود رفتہ۔ گویا اک نئی ہستی میں ہوں
کتنی شیریں اور دلکش ہے یہ موجوں کی صدا
لوٹنا پانی پہ کرنوں کا ہے کیسا خوشنما

دور آبادی سے ہوں میں۔ یہ جگہ سنسان ہے
جلوہ گر قدرت کی اس جا اک نرالی شان ہے
صاف منظر ہے۔ نہیں اڑتا حسد کا یاں غبار
کوئی دل یاں ہو نہیں سکتا ہے غم سے بیقرار
بغض و کیں کی یاں نہیں چلتی ہوائے دلخراش
یاں تعصب کر نہیں سکتا دلوں کو پاش پاش
یاں مسرت ہی مسرت ہے۔ نہیں غم کا گزر
نور آزادی کا یاں چاروں طرف ہے جلوہ گر
یاں ہوا آزاد ہے۔ موجیں یہاں آزاد ہیں
سب پرند آزاد ہیں۔ سب مچھلیاں آزاد ہیں
حسن پھیلا ہے یہاں ہر سو پڑا چاروں طرف
ہے خوشی چاروں طرف اور ہے ضیا چاروں طرف

کیا سمندر پر کھلائے ہیں یہ قدرت نے چمن
یہ ہے لہروں کی سبھا۔ وہ بلبلوں کی انجمن
مچھلیاں کرتی ہیں پانی میں ادھر اٹکھیلیاں
ہیں اُدھر طایر ہوا پر کس مزے سے نغمہ خواں
جس طرف دیکھو ادا قدرت کی رنگا رنگ ہے
حُسن ہے یا عیش ہے یا راگ ہے یا رنگ ہے
جس طرف دیکھو نیا جلوہ نئی اک دھوم ہے
بستیوں میں جو ہے وہ اس لطف سے محروم ہے
لیکن اس جا بستیوں والے جو مل کر آئیں گے
لُطف آزادی کے یہ سب خاک میں مل جائینگے

مرنے جینے کی دُکان

مصور فطرت سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

ایک شخص پان کی دکان کرتا تھا بستی کے سب باشندے جو چارپائی پر سونے کے عادی تھے۔ اسی کی دُکان پر پان خریدنے آتے تھے۔ کیونکہ اس کے ہاں کا پان سب دوکانوں سے عمدہ اور ارزاں ہوتا تھا۔ اس پان والے کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص پان خریدنے آتا۔ تو وہ اس سے اس کی گھر کی چارپائیوں کا حال پوچھتا اور جب چارپائیوں کا شمار معلوم ہو جاتا تو یہ دریافت کرتا۔ کہ تمھارے گھر میں کتنے آدمی رہتے ہیں اگر کسی شخص نے کہا کہ میرے گھر میں دس چارپائیاں ہیں اور دس ہی

آدمی ہیں تب تو وہ اُن سے یہ کہتا کہ بھائی صاحب دو چار پائیاں فالتو بھی رکھنی چاہئیں۔ کیا خبر ہے۔ وقت بے وقت کوئی مہمان آجائے تو اسوقت کیسی مشکل ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ صاحب گھر میں آدمی تو دس ہیں اور چارپائیاں پانچ ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ غریبی اور مفلسی کے سبب چارپائیوں میں زیادہ خرچ نہیں کر سکتے۔ ایک چارپائی پر دو دو آدمی سو جاتے ہیں۔ اسوقت یہ بان والا بہت سنجیدہ صورت بنا کر نہایت ہمدردانہ لہجہ میں گاہک کے سامنے اس طرح تقریر کرتا گویا ڈاکٹر انصاری اپنے مریض کو سمجھا رہے ہیں اور کہتا۔ سنیئے جناب ایک پلنگ پر دو آدمیوں کا سونا تندرستی کے واسطے زہر ہے۔ سب ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اور کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے کہ ہر انسان کے سانس میں زہریلا مادہ ہوتا ہے۔ جب دو آدمی ایک جگہ سوئیں گے تو ایک دوسرے کا زہریلا سانس دونوں کو بیمار کر دے گا۔ اس کے علاوہ جب دو جسم آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کی حرارت بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ جان ہے تو جہان ہے آدمی اپنی جان کی حفاظت اور زندگی کے لئے ہزاروں خرچ کرتا ہے اور غریبی اور مفلسی کا کچھ بھی خیال نہیں کرتا۔ آپ بھی سب خرچ چھوڑیے اور پہلے پانچ چارپائیاں اور بنوا لیجئے۔ میں بہت کفایت سے آپ کو بان دیدوں گا۔

وہمی گاہک

ایک دن کا ذکر ہے کہ اس بان والے نے حسب عادت ایک گاہک سے اس قسم کا سوال کیا۔ گاہک نے کہا میرے گھر میں تین آدمی ہیں اور تین ہی چارپائیاں ہیں۔ ایک چارپائی ذرا خراب ہو گئی تھی۔ اس کے لئے بان خریدنے آیا ہوں۔ دوکاندار نے کہا "جناب آپکی

بڑی بھول ہے۔ اگر خدانخواستہ دور پار گھر میں کوئی موت ہو جائے تو فرمایئے مردے کے واسطے آپ کیا بندوبست کریں گے۔ جس چارپائی پر موت ہوئی ہے کیا اس کو قبرستان لیجائیں گے۔ یا مسجد کی چارپائی منگائیے یا بازار سے نئی چارپائی خریدیں گے۔ اگر آپ نے اس پرانی چارپائی پر میت کو رکھا تو ممکن ہے کہ وہ گندی ہو گئی ہو اور اس پر جنازے کی نماز نہ ہو سکے اور اگر آپ نے مسجد کی چارپائی منگوائی تو خواہ مخواہ ملاں جی کو کچھ دینا پڑے گا۔ اور ایک ہی دفعہ نہیں ملاں جی روز روز فاتحہ درود کے بہانے سے آپ کے گھر پر آنا شروع کر دیں گے اور اگر آپ نے نئی چارپائی خریدی تو دوکاندار آپ کو ضرورت مند سمجھ کر قیمت زیادہ لیگا۔

اس واسطے مناسب یہ ہے کہ آپ آج ہی بان خرید لیجئے اور ایک فالتو چارپائی بنا کر تیار رکھیے۔ موت زندگی سب کے ساتھ ہے۔ معلوم نہیں کل کیا پیش آجائے۔ میں آپ کو بہت کم قیمت کا عمدہ بان دوں گا۔ آپ کا کچھ زیادہ خرچ نہ ہوگا۔

یہ گاہک بڑا وہمی تھا۔ اس نے جو مرنے جینے کا ذکر سنا اور بان والے کی زبان سے ایسی بدشگونی کی بات اس کے کان میں پڑی۔ آگ بگولا ہو گیا اور ایک دفعہ ہی بگڑ کے بولا۔ آپ نے اپنے مرنے کے واسطے کیا سامان کیا ہے آپ کے ہاں بھی کوئی فالتو چارپائی ہے یا نہیں۔ خبردار آئندہ میرے سامنے مرنے جینے کا ذکر کیجئے گا۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

دوکاندار صاحب تھے تو پٹھان مگر دل بہت کمزور تھا۔ وہمی گاہک نے ایسی سختی سے بات چیت کی کہ آئندہ انہوں نے پھر کبھی کسی گاہک سے مرنے جینے کا ذکر نہ کیا البتہ ڈرتے ڈرتے یہ ضرور کہہ دیا کرتے تھے کہ جناب میں

"مرنے جینے" کا ذکر نہیں کرتا۔ مگر انسان کو چاہیئے کہ کچھ چار پائیاں ضرورت سے زیادہ گھر میں رکھے۔ معلوم نہیں کہ کیا موقع پیش آجائے۔ رفتہ رفتہ دکان دار کی زبان پر "مرنے جینے" کا لفظ تکیہ کلام کی طرح چڑھ گیا وہ ہر بات کے بعد مرنے جینے کا لفظ ضرور بولتا تھا۔ یہاں تک کہ اس بستی میں اس دکان کا نام ہی "مرنے جینے کی دکان" مشہور ہوگیا۔ شاعر سمجھتے ہونگے کہ اس دکان پر موت و زیست کا کچھ سامان ہوگا۔ مگر جب دکان پر آتے اور بان کا انبار دیکھتے تو ہنستے ہوئے چلے جاتے۔ (اردوئے معلی)

گھبراہٹ

منشی خانہ کا شتر

کیا بری شے ہے یہ گھبراہٹ کہ جس میں آدمی
آپ کچھ کہتا ہے منہ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک منشی سے شترخانہ پہ جو مامور تھا
پوچھا ایک انگریز نے نوکر ہو تم کس کام پر
بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں
ہوگئے اس وقت وہ سُنکر پریشان اسقدر
ہیں شترخانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے مگر
کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

(منشی محمد داؤد صاحب مرحوم تحصیلدار بی اے ملیگ)

بدگمانی

(گذشتہ سے پیوستہ)

یا مثلاً ایک خاندان کے آدمی اکثر مسرف فضول خرچ لہو ولعب میں زندگی بسر کرنے والے نام اور نمائش پر مرنے والے۔ اگر اُن میں کوئی شخص اُس روش کے خلاف پایا جائیگا تو وہ کیسا ہی فیاض۔ جوانمرد بامروّت اور کنبہ پرور مگر کفایت شعار اور منتظم ہو خاندان کے تمام آدمی اُس کو خسیس دنی الطبع۔ کنتک اور مکھی چوس خیال کریں گے۔

بعضے لوگ اس دھوکے میں ہیں کہ ہمارا ذہن دُور دُور پہنچتا ہے اور ہم لوگوں کے دل کی بات سمجھ لیتے ہیں اکثر بدگمانیاں کیا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص گورنمنٹ کے کسی قانون یا پالیسی کو رعایا کے حق میں مُضر سمجھکر اُس پر آزادانہ اعتراض اور نکتہ چینی کرتا ہے مگر وہ دل کی بات سمجھنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص چونکہ گورنمنٹ کو آزادی پسند جانتا ہے۔ لہذا اس پردہ میں گورنمنٹ پر اپنی لیاقت اور دانشمندی ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ یا ایک شخص مذہب اور سائنس (حکمت) میں اسلئے تطبیق (موافقت) کرتا ہے کہ جب قوم میں حکمت شایع ہو جائے تو قوم کے تعلیمیافتہ نوجوان مذہب کو عقل کے خلاف سمجھکر اُس سے تجاوز نہ کریں۔ مگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص گورنمنٹ کی ایما سے یا گورنمنٹ کے خوش کرنے کے لئے لوگوں کو لامذہب اور ملحد بنانا چاہتا ہے تاکہ سلطنت کو

مذہبی مخالفت اور تعصبات کا کھٹکا نہ رہے۔

اکثر بدگمانی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک برائی یا ایک غلطی کی وجہ سے جو کہ بشریت کا خاصہ ہے انسان کی تمام خوبیوں پر خاک ڈال دی جاتی ہے اور اُس کی کسی بات پر نیک گمان نہیں کیا جاتا۔ مثلاً ایک سچا اور دیانتدار آدمی کسی معاملہ میں غلطی سے ایسی بات کر بیٹھا ہو جو راستی کے خلاف معلوم ہوتی ہے تو پھر وہ کسی معاملہ میں راستباز نہیں سمجھا جاتا۔ یا ایک لائق اور دانشمند آدمی سے کوئی ایسی لغزش ہو گئی جو عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے تو پھر اُس کی کسی رائے پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

بعضے لوگ بات کا موقع اور محل نہ سمجھنے سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں مثلاً ایک مسلمان سچی محبت اور بے ریا عشق کے جوش میں رسول کریم کو کبھی صرف محمد کبھی صرف ابوالقاسم کبھی آمنہ کا اکلوتا بیٹا کبھی بنی سعد کی بکریاں چرانے والا یا کملی والا اپنی بے ساختہ تحریروں میں لکھ جاتا ہے اور تعظیم کے رسمی یا عرفی الفاظ نہیں لکھتا تو وہ لوگ جو لطف بیان اور تحریروں کی کیفیتوں سے واقف نہیں ہیں اور تعظیم کو انہیں رسمی اور عرفی الفاظ میں منحصر جانتے ہیں ضرور خیال کریں گے کہ اس شخص کے دل میں آنحضرت صلعم کی کچھ عظمت نہیں ہے۔ میری اس مثال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میرا روئے سخن محض مسلمانوں کی ہی طرف ہے نہیں بلکہ یہی مرض ہنود میں بھی پایا جاتا ہے جہاں جہاں تحریرات میں رامچندر جی کو بجائے پورا نام رامچندر جی کے محض رام پر یا کوشلیا کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یہی اثرات وہاں بھی ناواقف لوگوں کی طبیعت میں پائے جاتے ہیں۔ میں فطرتی خواص انسانی پر مضمون لکھ رہا ہوں جیسا کہ ابتدا میں وعدہ کیا ہے کسی خاص

قوم یا ملت کی برائی لکھنی مقصود نہیں ہے اگر مسلمانی یا ہندوانی مزاق کے مطابق کوئی تمثیل عرض کیجائے کہ مطلب بہ آسانی سمجھ میں آجاوے تو اُس سے کوئی مختص قوم یا ملت نہ سمجھ لیجاوے اپنے اپنے مواقع پر سب لوگ اُس سے فائدہ اُٹھالیا کریں اور مجھے تحریر کی طوالت سے معاف رکھا کریں۔ آمدم برسر مطلب۔ یا ایک اسلامی یا ہندو ظرافت ریفارمر اپنی قوم کے دوسرے ریفارمر کو اپنی پرائیوٹ تحریر میں لکھتا ہے کہ میں نے یہاں بہتیرے جال ڈالے مگر کوئی پنچھی دام میں نہ آیا۔ تو سادہ لوح مسلمان یا ہندو اگر وہ خط دیکھ پائینگے تو اُن کو اس بات کا یقین پختہ ہو جائیگا کہ ان لوگوں نے اسلام یا ہندوؤں کے خلاف سازش کر رکھی ہے۔ اور یہ مسلمانوں یا ہندوؤں کو مُرتد یا بے دین کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایک سمجھدار آدمی یہ کہکر خاموش ہو جائیگا۔ کہ ایسی ظرافت ریفارمر کی شان سے بعید ہے۔ ایلہانہ احتیاط بھی اکثر بدگمانی کا باعث ہوتی ہے مثلاً ایک خوش معاملہ اور دانا گورنمنٹ مُلکی معاملات کی صفائی کے لئے مُلک ہمسایہ میں اپنا مشن بھیجنا چاہتی ہے۔ مگر اُس مُلک کے ارکان سلطنت یہ سمجھکر کہ مبادا اس مشن کے آنے سے ہماری حکومت اور اقتدار میں کچھ فرق آئے۔ مشن کو اپنے مُلک میں نہیں آنے دیتے۔ یا ایک ہائی اسکول یا کالج سے اکثر طالب علم لائق اور نیک چلن اور صاحب علم ہو کر نکلتے ہیں مگر ایک وہمی مزاج رئیس اس خیال سے کہ مبادا میری اولاد وہاں جاکر غیر جنس لوگوں کی صحبت میں آوارہ ہو جائے اپنی اولاد کو وہاں نہیں بھیجتا۔ (باقی آئندہ)

شمع اور پروانہ

شمع سوزاں ایک محفل میں تھی ایسی جل رہی
ہر طرف پھیلی تھی جس کی جگمگاتی روشنی
دیکھتا تھا اک پتنگا شوق سے اس کی بہار
دل ہی دل میں کر رہا تھا جان وہ اُس پر نثار
لو لگا رکھی تھی اس نے اپنے دل میں شمع سے
کہہ رہا تھا صدقہ اور قربان جاؤں میں تیرے
حق نے بخشی ہے تجھے کیا روشنی اور آب و تاب
ہیچ ہیں بس تیرے آگے آفتاب و ماہتاب
اتنے میں اک مکھی آئی بھن بھناتی اُس کے پاس
اور یوں کہنے لگی تو ٹھیک کر اپنے حواس
اے پتنگے کس پہ شیدا کس پہ دیوانہ ہے تو
شمع سوزاں ہے یہ غافل جسکا پروانہ ہے تو
یہ جلا دیگی تجھے گر پاس اِس کے جائیگا۔
جل کے مر جائیگا ناداں دیکھ تو پچھتائے گا
سُنکے پروانہ یہ بولا ہے غلط تیرا خیال
ہے یہ ناممکن کہ مجھکو پھونکدے یہ خوش نما
بولی مکھی خوش نما بیشک ہے اس میں شک نہیں

پھونک دیتی ہے مگر ہر ایک کو یہ کر یقین
میں بھی نادانی سے اسکے پاس خوش ہو کر گئی
جل ہی جاتی سوز سے باقی تھی لیکن زندگی
طعن سے اُس کو دیا پروانہ نے پھر یہ جواب
آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں۔ ہے غلط یا اے خباب
ایسی اچھی روشنی نقصان دے سکتی نہیں
امتحان جبتک نہ کرلوں گا نہ آئیگا یقیں
مکھی بولی دیکھ غافل اچھی صورت پر نہ جا
ظاہری صورت میں اکثر پائی جاتی ہے دغا
پر یقیں آیا نہ پروانے کو اُس کی بات کا
شمع کی جانب اسے شوق اسکا آخر لے گیا
پاس جانا تھا کہ اُس کے جل گئے سب بال و پر
مردہ سا نیچے گرا وہ سوختہ تن آن کر
شمع کے شیدا نے دیدی جان تڑپکر خاک پر
شمع بھی رویا کی نادانی پہ اُس کی رات بھر
مان لو تم ناصحِ مشفق کا کہنا مان لو
اپنی ہٹ دھرمی سے تم نقصان اپنا کیوں کرو
(اڈیٹر تہذیب)

جن حضرات کی خدمت میں شمع تجلی بطور نمونہ پہنچے۔ وہ برائے مہربانی۔ خریداری یا عدم خریداری سے مطلع فرماویں۔ ورنہ درصورت خاموشی انکو خریدار تصور کیا جائیگا۔ اور آئیندہ پرچہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔ (مینیجر)

اہلِ عرب کی ریاضی

از جناب اے ۔ ایم ضیاء الحسن صاحب ایم اے (علیگ)

آغاز اسلام میں عرب کے باشندے حساب سے بالکل بے بہرہ تھے بلکہ اُس کو حقارت اور تنفر کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ اُن کا خیال تھا کہ حساب محرروں کا پیشہ ہے جس کی ہمکو مطلق ضرورت نہیں ۔ لیکن جب اُن کی سلطنت کا رقبہ وسیع ہو گیا اور پیمائش کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ حساب کی طرف متوجہ ہوئے ۔ اور ابن توأم کا قول تھا کہ "اپنے بیٹے کو کتاب سے پہلے حساب پڑھاؤ"۔

عربوں کے حساب حاصل کرنے کے دو بڑے ذرائع یونان اور ہندوستان ہیں ۔ کچھ حصہ ریاضی کا اُنھوں نے یونانیوں سے اخذ کیا اور کچھ ذخیرہ ہندوؤں کی تصانیف سے دستیاب ہوا۔

جب اہلِ عرب اپنی ملکی فتوحات سے فارغ ہوکر شہروں میں اقامت پذیر ہوئے تو وہ مختلف امراض اور بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ۔ جنکا اُنھوں نے صحرائی زندگی میں نام بھی نہ سُنا تھا ۔ اس زمانہ میں علم طب صرف اہلِ یونان اور یہودیوں تک محدود تھا ۔ خلفاء نے یونانی اور یہودی ڈاکٹروں کو بُلا کر بغداد اور دمشق وغیرہ میں آباد کیا ۔ عربوں سے اُن کی استعداد اور علمیت ہر لحاظ سے زیادہ وسیع تھی ۔ کچھ عرصہ بعد بچوں کی تعلیم و تدریس کا کام بھی اُن کے سپرد کیا گیا اور مختلف مقامات میں جو عربوں کے تصرف میں تھے یونانی اسکول قایم تھے جس سے یورپ کے علوم و سائنس کی اشاعت ہوئی

اہل عرب نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ یونانیوں کا علم طب بقراط وارسطو اور جالینوس کی تصانیف پر مبنی ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے ان کتابوں کو عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ حجاج بن مطر نے اقلیدس کا ترجمہ کیا اور مجسطی بھی اسی زمانہ میں عربی میں لی گئی۔ بعد ازاں خلیفہ المامون نے ارسطو کو خواب میں دیکھا اور اُس سے کئی سوال بھی پوچھے جب خواب سے بیدار ہوا تو اُس نے ارسطو کی تمام کتابوں کا ترجمہ کرانیکا عہد کیا اور سائنس کی کتب حاصل کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ اور ہندوستان خطوط اور کمیشن روانہ کئے۔ المامون نے سریانی مترجمین کا ایک عملہ رکھا جو عربی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ جماعت ایک مدرسۃ العلوم کی شکل میں مبدل ہو گئی اور مامون حنین بن اسحاق کو اس کا پہلا صدر مقرر کیا۔ حنین دوسرے ترجموں کی اصلاح کیا کرتا تھا۔ المامون خود علم دوست اور قدردان شخص تھا۔ جسقدر کتابیں عربی میں ترجمہ ہوتی تھیں مامون انکے ہموزن سونا دیتا تھا۔ یہ مترجمین علم ریاضی میں زیادہ ماہر نہیں تھے اسوجہ سے مترجم کتابوں میں اکثر غلطیاں ہوئیں۔ ثابت ابن قرہ نے جو عرب کا نامور ریاضی داں ہوا ہے ان کتابوں کی تصحیح کر کے دوسری جلدیں شایع کیں۔ بعد ازاں اس نے اقلیدس۔ ارخمیدس۔ اپولونیوس اور بطلیموس کی خاص خاص تصانیف کے بھی ترجمے کئے۔

اس زمانہ میں اہل ہند ریاضی اور نجوم میں دُنیا کی تمام اقوام سے سبقت لے گئے تھے۔ آریہ بھاٹہ اور برہما گپت ہندوستان کے دو بڑے ریاضی دان گذرے ہیں۔ علم ہندسہ۔ جبر و مقابلہ اور علم مثلث پر انکی مستند تصانیف ہیں

برہما گپت نے چند اقلیدس کی اشکال کو بھی حل کیا ہے۔ اہلِ عرب کا ہندوستان سے سلسلہ تجارت جاری تھا۔ تجارتی معاملات سے جب خلط ملط زیادہ ہوا تو عربوں نے علم ہندسہ کے ہندی اصول اختیار کئے۔ اہلِ ہند اس زمانہ میں وہی اعداد و رقوم استعمال کرتے تھے جو آجکل رائج ہیں۔ چنانچہ عربوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ خلیفہ المنصور کے عہد میں عربوں کو ہندوؤں کے جبر و مقابلہ کی دو بڑی تصانیف کا علم ہوا۔ اور اہلِ عرب کے علم حساب اور جبر مقابلہ کا دار و مدار ان ہی کتابوں پر ہے۔

اس طریقہ سے اہلِ عرب کو علم حساب اور جبر مقابلہ برہما گپت کی تصانیف سے اور اقلیدس و نجوم یونانیوں کی مستند کتابوں سے معلوم ہوئے۔

عرب کا اول اور مشہور ترین ریاضی دان محمد ابن موسیٰ ابو جعفر الخوارزمی ہوا ہے۔ وہ خراسان کا باشندہ تھا۔ اور المامون کے کتب خانہ کا منتظم تھا۔ الخوارزمی ایک وفد کے ساتھ افغانستان گیا اور ہندوستان ہوتا ہوا واپس آیا۔ ان ایام میں اس نے ایک جبر مقابلہ لکھا جو برہما گپت کی کتاب پر مبنی تھا لیکن بعض ثبوت ایسے بھی دیے جن میں اعداد کو خطوط سے ظاہر کرنے میں یونانیوں کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ علم حساب پر بھی اس نے ایک کتاب لکھی جس کا ترجمہ لاطینی زبان میں اسوقت کیمرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

تاریخ ریاضی کی الخوارزمی کے جبر مقابلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ سے اعشاریہ کا عربی طریقہ مغرب میں شایع ہوا۔ اس کتاب کا نام الجبر والمقابلہ ہے اور اس سے انگریزی لفظ الجبرا (Algebra) نکلا ہے۔ یہ کتاب پانچ حصوں میں تقسیم ہے۔ اول چار حصوں میں جبر مقابلہ کے اصول و قواعد پر بحث ہے جن کو اقلیدس سے بھی ثابت کیا گیا ہے۔ پانچویں

حصے میں اس قسم کے سوالات ہیں کہ ایسے دو عدد معلوم کرو جنکا مجموعہ دس اور ان کے مربعوں کا فرق ۴۰ ہو - اٹلی کے باشندوں کو بھی الخوارزمی کے جبر و مقابلہ سے الجبرے کے اصول معلوم ہوئے اور انہوں نے اعشاریہ کا قاعدہ بھی اسی سے سیکھا ہے -

ملک عرب میں اور بھی ریاضی داں ہوئے جنہوں نے جبر مقابلہ کے اصول کی توسیع کی - الکیامی اور الکرخ قابل ذکر ہیں - عربوں کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب میں ابتدائی چار قاعدوں کا وہی طریقہ انھوں نے اختیار کیا تھا جو آجکل مروّج ہے - الحسین نے جمع و ضرب کے سوالات کی صحت جانچنے کے لئے میزان معلوم کئے وہ بھی آجکل رائج ہیں -

عربوں نے بھی یونانیوں کی طرح علم مثلث کا کم استعمال کیا اور اس میں کوئی خاص مہارت حاصل نہیں کی - البتہ علم نجوم کے سلسلہ میں کچھ ضرورت محسوس ہوئی اور ابوالوفا نے چند جداول تیار کئے - ابتداً اہل عرب صرف اقلیدس اور ابولونیوس کی کتابوں پر قانع رہے لیکن الحزن نے اقلیدس و المجسطی پر شرح لکھی اور اقلیدس کی متعدد اشکال کا مجموعہ شایع کیا - بعد میں عبد الجلیل ایک مشہور اقلیدس داں ہوا - اس نے علم مخروطات (Conic sections) پر ایک علیحدہ کتاب لکھی اور چند اقلیدس کے رسالے شایع کئے -

اہل عرب نے خلفاء کی دلچسپی اور شوق سے جو کچھ بھی ریاضی کے مختلف شعبوں حساب جبر مقابلہ و علم مثلث پر تصانیف مہیا کیں وہ قابل قدر اور بیش بہا ہیں - اقلیدس میں ان کو خاص توغل تھا اور اس سے علم نجوم میں بھی کام لیا - مگر عربوں نے ان فنون کو زیادہ وسعت نہیں دی - (باقی باقی)

قند پارسی

(از مولانا اعجاز جہاں صاحب)

در حریم کعبۂ دل آن صنم جلوہ گر است
کن طوافش روز و شب اے زاہد ظاہر پرست

حاجیاں را حج بیت اللہ مبارک بس مرا
خاک بوسی در جانان چو حج اکبر است

وادیٔ ایمن کجا و شعلۂ طورش کجا
موسیا۔ با آتشم صد پارہ یک اخگر است

با خیالش زیستن ہم با وصالش مردن است
شوخی آں سامری فن عکس صورتگر است

مقتلم از کربلا بے شبہ دارد امتیاز
چوں سرم بہر نثار ذوالفقار حیدر است

از حدیث کوثر و جنت چہ خوش آید مرا
روحم اندر میکدہ شد ایں دلم در ساغر است

مدعی عشق صدہا۔ مرد میدانست قیس
پردہ دار راز لیلیٰ در جناب داور است

لطف آں پیر مغاں بہر من رند خراب
در مقام سالکان عشق۔ زیبا منظر است

اے سیہ بختم چہ ہا کوکب اقبال من
اختر روشن تر از ظلمات نجم اخضر است

گر مصرعِ اعجاز او در آن نخلستانِ اعلیٰ جنت کامِ ما است

شعر

اس سے قبل کہ شعر کی تعریف کی جائے یہ بیان کر دینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ شاعر کو شاعر ہونیکے واسطے کن کن اشیا سے واقف ہونیکی ضرورت ہے۔ فی زمانہ اشخاص نے یہ تصور کر لیا ہے کہ صرف موزونی طبیعت کافی ہے اگرچہ یہ بھی شاعری کا جزو ہے۔ لیکن اسکے علاوہ علم سے ماہر ہونیکی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ جس قدر شعراء سابق اور موجودہ زمانے کے مسلمہ اساتذہ ہیں علم سے بخوبی ماہر ہیں۔ نیز یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جتنے علوم ادبی دنیا میں ایجاد کئے گئے وہ کلام کو موزوں بنانے کے لئے کئے گئے۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو میرا یہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ کہ شعر کے سمجھنے اور لکھنے کے لئے انہی علوم مثلاً ادب۔ قواعد۔ حکمت۔ فلسفہ۔ منطق۔ سائنس و علم اخلاق وغیرہ وغیرہ سے ماہر ہونے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس کا کوئی مضمون و خیال دائرہ انسانیت و حدود ہیئت سے باہر نہ ہو۔ نیز اسکے الفاظ کی بندش و نشست اور ان کا برجستہ اور برمحل ہونا ضروری ہے۔ گویا الفاظ پر قادر ہونا ہی شاعر کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ بہت سے الفاظ مرادف ہوتے ہیں لیکن ان کی ترتیب میں دقت ہوتی ہے۔ مثال کیلئے ذیل کے مصرعے ملاحظہ ہوں بقول الشعراء العجم

(۱) تنہا بلبل خوش گو کہ چہکتا ہے چمن میں (۲) بلبل چہکتا ہے ریاض رسول میں

اگرچہ دونوں مصرعوں کا ایک ہی مضمون ہے لیکن الفاظ کی بندش اور بامحل عمدہ استعمال نے مصرعوں کے اندر زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جنکا جاننا اور ادا کرنا شاعر کا کمال اور فرض منصبی ہے۔ زبان کے یہ معنی نہیں کہ محض بول چال باندھی جائے اور استعارہ و تشبیہ سے خالی ہو۔ زبان

اُس کو کہتے ہیں جیسا غالب مرحوم فرماتے ہیں۔

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی۔ بنگیا روئے سطح آب پر کائی

کیسی زبان ہے اور پھر بھی تشبیہہ وغیرہ سے خالی نہیں۔ آیندہ شعر کے اجزاء پر بحث کیجائیگی۔ (سید محبوب الرحمٰن امروہوی)

تجربہ

عقیل وہ ہے جو اہلِ شعور کو مانے　　اصیل وہ ہے جو اپنے عیوب پہچانے
شریف وہ ہے شرافت کی جس میں بو باس　　لطیف وہ ہے لطافت سے جسکو ہو وسواس
یتیم وہ ہے جو ہو با اثر دعا کی طرح　　کریم وہ ہے جو بے مانگے دے خدا کی طرح
طبیب وہ ہے مریض دل کا ہو جو نبض شناس　　حبیب وہ ہے جسے ہو اپنے دوستوں کا پاس
کمال وہ ہے نہ آئے کبھی زوال جسے　　جمال وہ ہے کہیں لوگ بے مثال جسے
سرور وہ ہے جو بنت العنب کے پیالہ میں ہو　　غرور وہ ہے جو چین جبین یار پر ہو (?)
خلیق وہ ہے ملے جس سے دلمیں گھر کرلے　　شفیق وہ ہے جو اشفاق کا اثر کرلے
عزیز وہ ہے اعزّا کا ہو خیال جسے　　تمیز وہ ہے رہے فکر ہر مآل جسے
زبان وہ ہے رہے جو کہ قائم اقرار　　بیان وہ ہے جو ہو تیر سنکے سینہ پار (?)
وہ پانوں ہیں جو رہیں مستقیم راہِ وفا　　وہ ہاتھ ہیں کہ اٹھیں جس سے خیر کا دریا (?)
یقین وہ ہے مٹے جو نہ صفحۂ دل سے　　حسین وہ ہے جو نکلے جدا اک حال سے (?)
خیال وہ ہے دکھادے جو اک صحیح مثال　　محال وہ ہے نہ پہنچے جہاں کمند خیال
امیر وہ ہے غریبوں پہ جو ترس کھائے　　فقیر وہ ہے نہ منعم کے در پہ جو جائے
غنی وہ ہے کہ قناعت سے جسکا دل ہو غنی　　دنی وہ ہے جو کرے بیقصد طعنہ زنی
خلیل وہ ہے سنوارے جو آئینۂ دل کو　　جلیل وہ ہے کرے حل جو سب کی مشکل کو

خدا وہ ہے جو خدائی میں سب کے کام آئے
اثر وہ ہے کہ جو تا حشر برقرار رہے

دعا وہ ہے جو اثر اپنا جلد دکھلائے
جگر وہ ہم ہیں جو محروم و دلفگار رہے

(جگر از بمبئی)

عشق

زمین و رعب او ساکن فلک در عشق او شیدا

یہ ایک لفظ ہے جس کی زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ہر فرد بشر کے کان اسکے معنی سے کسی قدر آشنا ہیں۔ نیز ضمناً مصرع بالا سے ناظرین کو اس کا مفہوم معلوم ہو گیا ہوگا۔

اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ عشق اکتسابی شئے ہے یا فطرتی۔ نظر غائر سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرتی ہے۔ کیونکہ تمام حیوانات میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ چچا سعدی فرماتے ہیں ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز ÷ کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

حیوانات سے قطع نظر کرکے ناظرین کو دوسری طرف لیجاتا ہوں۔ حیوانات پر منحصر نہیں ہے بلکہ نباتات و جمادات کے سر میں بھی اس کا سودا سمایا ہوا ہے۔ دیکھو آہن کو کہ جس وقت مقناطیس کو دیکھتا ہے خود بخود کھنچی چلا آتا ہے۔ گیاہ کو ملاحظہ کیجئے کہ کہربا کی طرف بیساختہ چلی آتی ہے ؎

ہے سرو کو خیال جو تعظیم یار کا ÷ گذری تمام عمر چمن میں کھڑے ہوئے

ان مثالوں سے صاف ثابت ہوا کہ اکتسابی شئے نہیں ہے بلکہ فطرتی جسکو خلاق کون و مکان نے اپنی قدرت سے مراتب و حسب استعداد ہر شئے میں

ودیعت رکھا ہے۔ اسی بنا پر ہر ایک موجودات میں اسکا کچھ نہ کچھ شمہ پایا جاتا ہے۔ جسوقت یہ اپنا پورا اثر کرلیتا ہے یہ حالت بنا دیتا ہے ؎

لیلیٰ لیلیٰ پکارت ہوں بن میں ٭ لیلیٰ پیاری بسی مورے من میں

لہذا اب پھر میں اپنے مصرعہ مذکور الصدر پر جھلک ڈالتا ہوں کہ اس عالم مجاز میں اولیاء عظام نے عشق حقیقی کے لئے عشق مجازی کو رہبر قرار دیا ہے کہ عاشقوں کے دلوں کو کمند زلف معشوق میں پھنسایا۔ اور غرض و مقصد اس سے ہدایت ارشادِ خاص واسطے شناخت ذات حقیقی ہے تاکہ مخلوق اُس کی طرف دوڑے اور رجوع کرے معشوقانِ مجازی سے کنارہ کش ہوکر معشوق حقیقی کے مے عشق کے نشہ میں سراپا مخمور اور چور ہوکر اسکی طرف بڑھے۔ آہ و فغاں اُسکی یاد میں پابند کرے اُسی کے فراق میں صحرا نوردی و بادیہ پیمائی ہو۔ کیونکہ دراصل صیاد معشوقِ مجازی وہی ہے۔ بقول شاعر

نہ بلبل برگلشن تسبیح خوانیست ٭ کہ ہر خارے بتسبیحش زبانیست

(سید جمیل الرحمن امروہوی)

رباعیات

ہر روز کے اسراف کا صرف اک پیسہ ٭ بتلا تو۔ کہ اک سال میں کتنا ہوگا
کیا تجکو خبر نہیں ہے۔ اے یار عزیز ٭ ہوتا ہے قطرہ قطرہ آخر دریا

مانا سالک ہے تو رہے عرفاں کا ٭ کرتا نہیں کام تو کوئی عصیاں کا
تقوے کی نمائش سے بھلا کیا حاصل ٭ سُن اے زاہد۔ ریا ہے گُن ایماں کا

جب بگڑی آبروہی پر خاک تری ٭ کیا بات رہی پھر تہہ افلاک تری
اے تام کنجی طرح نہ زمانہ سے ادھار ٭ مقراض سے قرض کی کٹی ناک تری

لطائف

۱- ایک شخص جو دودھ بیچا کرتا تھا اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ تم کبھی جھوٹ مت بولنا۔ اس نے کہا اگر کسی نے مجھ سے سوال کیا کہ تمہارا باپ دودھ میں پانی ملاتا ہے یا نہیں تو میں کیا جواب دوں؟ باپ نے کہا کہ تم صاف انکار کر دینا۔ اس لئے کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ میں کبھی دودھ میں پانی نہیں ملاتا۔ بلکہ میں تو ہمیشہ پانی میں دودھ ملاتا ہوں۔

۲- ایک لڑکے نے اینٹ پھینکی وہ سامنے والی دوکان کے کواڑوں کے شیشے پر لگی شیشہ ٹوٹ گیا لڑکا خوف کھا کر بھاگا۔ مالک دوکان نے تعاقب کیا اور پکڑ کر پوچھا نقصان کر کے بھاگتا کیوں ہے۔ لڑکے نے جواب دیا کہ شیشہ کی قیمت لانے کے لئے گھر کو بھاگا جا رہا ہوں۔

۳- ایک امیر کے دروازہ پر ایک مسکین نے سوال کیا۔ امیر نے اندر سے آواز دی کہ اس وقت میرے پاس کوئی آدمی نہیں ہے۔ مسکین نے جواب دیا کہ ذرا دیر کے لئے خود حضور ہی آدمی بن جائیں۔

۴- ایک دہقانی کے پاس روپیہ تھا اور اس کو کھوٹا کھرا نہ معلوم ہوتا تھا۔ اتفاقاً ایک وکیل صاحب چلے آتے تھے۔ ان کو دیکر پوچھنے لگا کہ یہ روپیہ کھوٹا ہے یا کھرا۔ وکیل صاحب نے بغور دیکھ کر فرمایا کہ روپیہ تو کھرا ہے مگر میری ہر دریافت طلب امر کے لئے پانچ روپیہ فیس مقرر ہے چار روپیہ اور لاؤ۔ غریب دہقانی منہ تکنے لگا اور وکیل صاحب روپیہ جیب میں ڈال کر چلدیئے۔

شکوۂ نازنین

(از ابن الادیب محمود شیر خان، طبیب میرٹھی سکریٹری انجمن ادبِ اُردو دہرہ)

رات نکلا سیر کرنیکو جو میں شوریدہ سر
باد فرحت چل رہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی جھوم کر

سبزہ زاروں میں فراہم جملہ سامانِ بہار
بھینی بھینی نکہتیں مہکا رہی تھیں رہگذر

چاندنی کا فرش تھا صحنِ چمن میں خوشنما
آسمان سے کر رہا تھا نور افشانی قمر

اللہ اللہ کیا سہانی رات تھی دلکش سماں
وجد طاری ہو گیا قدرت کا منظر دیکھ کر

سیر کرتے کرتے پہنچا ایک گلشن کی طرف
شمع رو دیکھا کوئی صحنِ چمن میں جلوہ گر

دلربائی کی ادا چھائی تھی سر سے پاؤں تک
اک قیامت سی بپا تھی حُسن دلکش اوج پر

نور کا پتلا کہوں۔ یا چاند کا ٹکڑا اُسے
وہ بشر تھا جان دیتی یاں پری بھی ناز دیکھکر

تھا تجلی انکھڑیوں میں سُرخ ڈورا موجزن
مد بھرے نینوں سے پی لے رند ساغر مانگکر

گورے گورے رخ پہ اُسکے ماہ کامل لوٹ پوٹ
نازکی پھولونکی قربان ہر گلِ رخسار پر

ابروؤں میں تھیں محرابِ عبادت کا پتہ
کیوں نہ ہو پھر سجدہ واجب کافرِ اسلام پر

رشکِ سنبل گیسوؤں میں تھے بلا کے پیچ و تاب
ناگنیں بل کھا رہی تھیں دونو نازک دوش پر

تھا سینہ پر قیامت اُٹھتے جوبن کی نمود
دیکھ لے قدسی اگر بہکجائے دل کو تھام کر

گوری گوری لانبی گردن میں پڑے پھولونکے ہار
پا رہے تھے سینہ زوری سے محبت کا ثمر

کیا سماں تھا جسنے رکھا دیر تک غافل مجھے
بیخود ہوا بیدار تو دیکھا یکایک چونک کر

اک پلنگڑی خوشنما۔ وہ اُسپہ بستر ریشمی
پاؤں پھیلانے لگے خود نیند جس کو دیکھکر

اُسپہ کچھ ٹوٹے ہوئے آئے نظر پھولونکے ہار
جو حمائل تھے گلے میں ایک گھنٹہ پیشتر

سامنے اُس نازنین کے تھا جوان اک خوبرو
سینکڑوں ارمان نکالے ہونگے جسنے رات بھر

اک ادا کے ساتھ اس سے شکوہ ہی یہ بار بار
شکوہ سُن کر کہہ رہا ہے وہ [illegible]
جانتا ہوں میں کہ پہلو سے بلا پوچھے مرے
صبح اُٹھ کر تم سے بستر اپنا خالی دیکھ کے
یہ خطا سرزد ہوئی تسکینِ خاطر کے لئے

ہاتھ کیا آیا تمہیں پھولوں کے گجرے توڑ کر
سر کو قدموں پر جھکا کر ہاتھ اپنے جوڑ کر
تم بے پاؤں چلے جاؤ گے تڑکے اپنے گھر
دم بخود رہ جاؤں گا میں تو کلیجہ تھام کر
آ بھی جائے گر تمہارا دردِ فرقت بھول کر

دیکھ کر بستر پہ گجرے پھولوں کے ٹوٹے ہوئے
صبح کو یاد آئینگے شب کے مزے لوٹے ہوئے

معشوقۂ عرب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اسی لئے وہ ہر کام میں اُسکے تابع رہتی ہیں اور یہ بھی جوا یا ایسا ہی ان کا حفظ مراتب کرتی ہے۔ گو عذراء بھی معمولی طور پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل میں مصروف ہے مگر بار بار نظر اُٹھا کر پل کی طرف اس طرح دیکھ لیتی ہے کہ گویا اُس کو اُسکی حفاظت کی خاص ہدایات ملی ہیں۔ اگر پل کی طرف ذرا کھٹکا ہوتا ہے فوراً اُسکی آنکھیں اُدھر لگ جاتی ہیں۔ بلکہ ہر لحظہ زہراآں وہ پل کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی اس قدر نزدیک پہنچ گئی کہ اس سرے سے اُس سرے تک پورا پل نظر آنے لگا۔ اب تقریباً نصف شب کا وقت ہو گیا۔ عذراء پل کے قریب ایک مرتفع زمین پر کھڑی ہو کر پل اور اُس کے پار کو اس انداز سے دیکھنے لگی جیسے کوئی شخص اپنا کام ختم کرنے سے پہلے خطرے کی طرف سے مطمئن ہونا چاہتا ہے وہ ابھی کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی اور اسکی سہیلیوں نے کھیلتے کھیلتے تھک کر اپنے اپنے گھروں کو چلنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ پل کے اُسطرف سے کوئی شخص گھوڑ ے

پر سوار آتا ہوا نظر پڑا سب کی سب مثلِ آئینہ خاموش ہو گئیں اور اُنکا بدن بید کی مانند ہلنے لگا۔ ان میں سے ایک لڑکی جو سب میں دلیر تھی ایک کھجور کے درخت کی طرف جو پُل سے تقریباً ۲۰ گز کے فاصلہ پر تھا۔ بڑھی اور وہاں جاکر بیٹھ گئی اُس کا داہنا ہاتھ لکڑی کی ایک چرخی پر تھا جو اُس درخت کے زیرین حصہ میں لگی ہوئی تھی اور بایاں ہاتھ اُس زنجیر پر تھا جو اُس چرخی سے لپٹی ہوئی تھی یہ نہایت تحیر کی حالت میں اُس آنیوالے شخص کو دیکھ رہی تھی اور اُسکا داہنا ہاتھ ساتھ ہی ساتھ اُس چرخی کو گردش دے رہا تھا۔ جب وہ نووارد اُس پُل کے وسط میں پہنچا۔ پُل کے ٹوٹنے کی آواز آئی اور وہ بیچارہ مع گھوڑے کے دریا میں گر کر غوطے کھانے لگا۔

بھولی بھالی صورتیں جن پر زردی چھائی ہوئی تھی اپنی اس کامیابی پر بحال ہو گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ باہوش عذرا کے چہرے پر ایک ہلکی سی بشاشت آگئی لیکن وہ اپنی سہیلیوں کی طرح مسرور نہ تھی جو خوشی ہو کر شور و غل مچانے لگیں یہ اپنے ضمیر سے باتیں کر رہی ہے اور کسی اہم مقدمہ کے فیصل کرنے میں بڑی غلطاں و پیچاں ہے آخر کار اُس نے اپنی سہیلیوں کو مخاطب کرکے کہا

عذرا۔ بہنو گو یہ ہمارے آئین و فطرت کے بالکل خلاف ہے کہ جس کو زندہ درگور کریں اُس کی جان بخشی کرکے از سرِ نو دنیا میں زندہ رہنے کی اجازت دیں یہ بھی تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم نے سینکڑوں جانیں اسی دریائے ذات میں ڈبا کر ضایع کردیں لیکن آج میرے دل کی عجیب کیفیت ہے۔ میری طبیعت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اس نوواردِ کو اس طرح غرقِ آب ہو جاتے دیکھوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اُن نتائج سے جو اسکو دریا سے

نکلنے میں پیش آنیوالے ہیں ترساں اور لرزاں ہوں اور میرے اُس ارادے کو سُنکر تم سب پر بھی حیرت طاری ہوگئی ہوگی لیکن تم کو ہراسان ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ سب قسم کا بار میں اپنی گردن پر لیتی ہوں - لہذا ہمکو فوراً اپنا کام سرانجام دینا چاہیئے -

عذرا جب اپنی تقریر ختم کر چکی تو سب پر چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی پھر سب یک زبان ہو کر بول اُٹھیں بانو ہمیں کسی قسم کا عذر نہیں ہے اور ہم سب طرح آپکے حامی و مددگار ہیں -

الغرض یہ ریگستانی پریاں بسُرعت تمام پُل کی طرف بڑھیں اور ساحل دریا پر کھڑی ہو کر اپنی اپنی نظروں کو نہایت تجسس کی حالت میں پانی کی جھلجل لہروں پر دوڑانے لگیں تشتہ میں کوئی شے سطح آب پر آتی ہوئی معلوم ہوئی - ان میں سے ہر ایک چلا اُٹھی دیکھو وہ اُٹھا اور سب کی سب پانی میں کود پڑیں - یہ شعلہائے جوالہ تڑپتی ہوئی مچھلیوں کیطرح اُبھرنے والی شے کیطرف بڑھیں اور اُس کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کر کنارے پر لے آئیں - دیکھتی کیا ہیں کہ ایک نوجوان شخص ہے جسکی عمر ۲۰ یا ۲۲ سال سے زائد نہیں ہے - نرم نرم پھول سے رخسار ریشم سے سیاہ خم بل کہائے ہوئے گیسو - خوبصورت اور بیضوی چہرہ - چوڑا سینہ - تمام اعضا موزون اور سڈول اس نوجوانی میں دلفریبی اور کشش پیدا کر رہے ہیں - کمسنی کی وجہ سے قدرت اس کے چہرہ پر پوری گلفشانی نہیں کر سکتی صرف سبزہ جھلک رہی ہیں) -

اُگا ہے سبزہ خط رخ پہ اُس کا ملاحت کے
زمین شور سُنبل بر نیارد کون کہتا ہے

سینہ پر ایک خنجر آبدار زخم لگا ہوا ہے - عربی لباس زیب تن ہے بیہوشی اسقدر

غالب ہے کہ دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

یہ نوخیز البیلی لڑکیاں گھبرا گھبرا کر اس نوجوان کے سانس کی رفتار اور دل کی حرکت کو بغور دیکھ رہی ہیں اور جب انہیں پورا یقین ہو گیا کہ یہ زندہ ہے تو ہر اک کا چہرہ بشاش ہو گیا۔

اس سے اطمینان کر کے سب اپنے اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں کو نچوڑنے لگیں۔ تر ہو جانیکی وجہ سے حالت تھی کہ سبکے ہاتھ پیروں میں لرزا آ گیا تھا۔ سرد ہوا کے چلنے سے دانت بج رہے تھے۔ سردی کی وجہ سے ہر اک دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں باندھ باندھ کر اپنے ابھرے ہوئے سینہ پر اس طرح رکھے ہوئے تھیں جیسے کوئی اُبھرنے والی شے کو دابنے کی بیجا کوشش کر رہا ہو۔

للہ حرم میں چھپایا کریں کیا ہوتا ہے
کہیں چھپ سکتا ہے اُبھرا ہوا جوبن اُن کا

لباس بدن میں کھبا جا رہا تھا۔ سیاہ سیاہ زلفیں رخ روشن پر اس طرح حلقہ کئے ہوئے تھیں۔

گھر گئی کالی گھٹا زلف نے جھونکا کھایا

اسوقت کی دلربائی بھی ان پاک طینت خاتونوں میں قیامت تھی۔ جب کپڑے نچوڑ چکیں۔ تو اس اجنبی نوجوان کو جو ابھی تک بالکل غافل اور بیہوش تھا اپنے گھوڑوں کے نزدیک لائیں۔ عذرا نے اپنے گھوڑے پر اوسی نوجوان کو سامنے ڈالا اور خود پیچھے سوار ہو گئی اس کی سہیلیاں بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئیں۔ سب نے باگوں کو اٹھا کر گھوڑوں کو مہمیز کیا اور مغرب کی جانب روانہ ہو گئیں۔

دوسرا باب

بیمروت ناوک افگن آفریں صد آفریں
دل کا حل زخمی کیا پیکاں کا پیکاں لیچلا

صبح کا سہانا وقت ہے۔ نسیم نرمی کے ساتھ چل رہی ہے۔ سورج اُفق مشرقی سے ہر آن بلند ہوتا جاتا ہے اور دُنیا کو روشن کرنے کے بعد اسکی بس ماندہ کرنیں ہماری ناہوش عذرا کے نازک رخساروں پر چل گئی ہیں اور سنہری جھلک نے جو آفتابی شعاؤں کی وجہ سے اس کے خوشاب رخساروں پر پیدا ہو گئی ہے۔ اسکے بھولے نور عالم سوز چہرہ پر عجب کیفیت پیدا کردی ہے۔

گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں

یہ فتنہ نازنین کچھ انگور۔ کھجوریں اور سیب لیئے نئے مہمان کے لئے جو ابھی تک بالکل بے خبر سو رہا ہے عبادت کر رہی ہے۔ اور بار بار اُس کو دیکھتی جاتی ہے کہ اتنے میں ہمارے نوجوان نے خدا خدا کرکے آنکھیں کھولدیں اور اپنے آپکو اک نئی جگہ پاکر بڑی پریشانی کی حالت میں نظریں اِدہر اُدہر دوڑائیں کبھی یہ نرم نرم بچھونے کو دیکھتا جو شیر کی کھال کا بنا ہوا ہے۔ کبھی یہ اُسی مخملی پوستین کو ٹٹولتا جس سے اس کا بدن ڈھکا ہوا ہے۔ کبھی اسکی نگاہ خوشنما دریچوں پر پڑتی۔ کبھی اسکی نگاہ قدِ آدم آئینوں سے خیرہ ہوتی جو دیوار میں لگے ہوئے اُن کی زینت کو خوبصورتی کے ساتھ بڑھا رہے ہیں۔
عذرا خاتون اس کی یہ حرکت دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ یکایک دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ نوجوان نے تاب نظارہ نہ لاکر آنکھیں بند لیں

(باقی آئندہ)

بزم شیدا

اکرام ۔ جناب اکرام الٰہی صاحب دہرہ دون

ڈراتے ہو ہمیں کس واسطے تم تیر و خنجر سے ۔ دکھا دینگے تمہیں ہم جان دیکر دیکھتے جاؤ
تڑپتا ہے تڑپنے دو اگر دل یاد میں اُس کی ۔ سنبھل جائیگا یوں بیمار مضطر دیکھتے جاؤ
میرا مضمون سُنکر داد تو دیتے ہو تم مجھکو ۔ رقیبوں کے چبھے دلمیں نہ نشتر دیکھتے جاؤ
لگایا تھا ہے دل اکرام تم نے دشمن جاں سے ۔ دکھاتا ہے تمہیں اب کیا مقدر دیکھتے جاؤ

جوہر ۔ جناب منشی گیندن لال صاحب مرادآبادی

چلا کر بس مری گردن پہ خنجر دیکھتے جاؤ ۔ نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
مصیبت عشق کی معلوم کرنا ہے اگر جاناں ۔ لگا کر دل کسی سے تم بھی دلبر دیکھتے جاؤ
جلانا گر تمہیں منظور ہے اپنے کشتہ کو ۔ لگا کر اس تن خاکی پہ ٹھوکر دیکھتے جاؤ

حافظ ۔ جناب حافظ نذیر احمد خانصاحب دہرہ دون

قرار آئے نہ آئے حال مضطر دیکھتے جاؤ ۔ ذرا نیچی نگاہ اوپر اُٹھا کر دیکھتے جاؤ
سلامت دست وحشت سیر گلشن کی ہوس کسکو ۔ بنینگے داغ دل کے گل بدن پر دیکھتے جاؤ
گذر ہوتا نہیں ہے نامہ بر کا کوئے جاناں میں ۔ اُڑیگا طائر دل کا کبوتر دیکھتے جاؤ
رکی گر تیغ ابرو کی تو آئے تیر مژگاں کے ۔ ہوئے ہیں وار لاکھوں ایک ایک پر دیکھتے جاؤ
کہا میں نے جو اُن کو سنگدل ہو تم ستمگر ہو ۔ ادا سے کہتے ہیں وہ مسکرا کر دیکھتے جاؤ
خیال انکا ہے آئینہ ہمیں حیرت سمجھتے ہیں ۔ بناتے ہیں ہمیں کیا کیا سخنور دیکھتے جاؤ
ستاتے ہو ہمیں کیوں اسقدر فرقت کے حافظ کو ۔ بہت ہوگا تمہارا حال ابتر دیکھتے جاؤ

ساکت ۔ جناب مولوی سید محبوب الرحمٰن صاحب دہرہ دون

عجب بیمار کا ہے حال ابتر دیکھتے جاؤ — اٹھے للہ مسیحا آ کر دیکھتے جاؤ
وہ چلتے چلتے دل تسخیر کرکے پھر یہ کہتے ہیں — مرے چلتے ہوئے جادو کا منتر دیکھتے جاؤ
محبت پہلے کرتا تھا مگر اب ہوگیا دشمن — سمجھ کر کس طرح بگڑا ہے اختر دیکھتے جاؤ
دکھا کر سر نگیں آنکھوں کو اس نے کردیا ساکت — انکھوں کس سے کہ مارا چال چلاکر دیکھتے جاؤ

شوق ۔ جناب مرزا مظفر بیگ صاحب دہرہ دون

مسیحائے زماں ہو قلب مضطر دیکھتے جاؤ — مریض عشق کی حالت ہے ابتر دیکھتے جاؤ
تمہاری زلف کے قیدی مرجاتے ہیں گھٹ گھٹ کر — اسیران قفس کا حال مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے قتل کے سامان یہ خود بن بن کے آئے ہیں — ادا و ناز و غمزہ تیغ و خنجر دیکھتے جاؤ
وہ اٹھ کر چل دئیے بیمار غم کہتا رہا ان سے — نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
ترستے ہیں ازل سے تشنہ لب خنجر کے پانی کو — پیاسوں کی بجھے اب پیاس کیونکر دیکھتے جاؤ
تمہیں ہے نازکی پر ناز مجھکو سخت جانی پر — گلے پر کس طرح چلتا ہے خنجر دیکھتے جاؤ
تمہیں بھی پاس ہے اے ابر باراں کچھ تماشائی — ہمارے داغ دل اور دیدہ تر دیکھتے جاؤ
بت کافر کی الفت برہمنوں سے کہتی ہے — رہو مسجد میں لیکن سوئے مندر دیکھتے جاؤ
تماشائے قیامت ہے اگر ہے آرزو تم کو — چلو چلکر مرکو سامان محشر دیکھتے جاؤ
تمنا کس کی بر آئیگی ارمان کس کے نکلیں گے — کرے اب یاوری کس کا مقدر دیکھتے جاؤ
نگاہ منصفی سے کام لو اے دیکھنے والو — تعلق ہو نہ ہو سبکو برابر دیکھتے جاؤ
خطر اے شوق کیا ہے قتل ہونیکا تمہیں لینے — ملے گی سخت جانی اپنی رہبر دیکھتے جاؤ

صوفی ۔ جناب شیخ کلن صاحب کانپور تلمیذ شوکت مراد آبادی

محمد مصطفی پر جان دیکر دیکھتے جاؤ — ملے گا مرنے والو جام کوثر دیکھتے جاؤ
تمہارا دیکھنا ہی باعث بخشش سمجھتا ہوں — جو گذرے مجھپہ مولا روز محشر دیکھتے جاؤ
دم نزع تصور میں جو آئیں شاہ تو کہہ دوں — نکلتی کس طرح ہی جان مضطر دیکھتے جاؤ

جہانکی مشکلیں آساں کرتے ہو مرے مو | ہمارا بھی خدارا حال ابتر دیکھتے جاؤ
جگر کے داغ اپنے گل کی صورت ہو تو لیں صوفی | چڑھا دینگے یہی روضہ پہ چادر دیکھتے جاؤ

عالم۔ منشی عالم حسین صاحب دہرہ دون

اٹھا دینگے ہزاروں رنج دلبر دیکھتے جاؤ | تم اپنے عاشقوں کا حال ابتر دیکھتے جاؤ
ستالو جتنا جی چاہے جفا ہو جس قدر کرلو | پشیماں ہم ہوں یا تم روز محشر دیکھتے جاؤ
رقیبو شب نشینیں کرتے ہو بزم یار میں میری | بگڑ دونگے تم ہی محفل کے اندر دیکھتے جاؤ
زمانہ تم سے واقف ہی زمانہ سے ہیں ہم واقف | کئے لیتے ہیں میدان سخن سر دیکھتے جاؤ
ہزاروں قسمتیں لاکھوں نصیبے تم نے دیکھے ہیں | میری تقدیر بھی اے بندہ پرور دیکھتے جاؤ
یہاں گر تم نہیں ملتے تو من جانب ہے یہ بولونگا | میرے پہلو میں ہوگے روز محشر دیکھتے جاؤ
یہ اچھی ضد ہے میں منتا ہوں تم روتے ہو ہنستے ہو | لو میں اب روؤں تم بھی مجھکو ہنسکر دیکھتے جاؤ
کسی کا وقت نزع کہتا یہ اپنے مسیحا سے | نکلتی کس طرح سے ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
نہ چھم آجائے صورت دیکھکر عالم سے الٹی | گلا کاٹو تو سیدھے چہرے خنجر دیکھتے جاؤ

علم۔ الطاف حسین صاحب تلمیذ طبیب صاحب میرٹھی و مرزا صاحب مراد آبادی

نکلتی ہے یہ کیونکر جان مضطر دیکھتے جاؤ | ٹھہر کر یہ تماشہ اور دم بھر دیکھتے جاؤ
مسیحائی تمہاری اور کس دن کام آئیگی | لبوں تک آچلی ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
کہاں پر جاتے ہو منہ ڈھانکے ہوئے آؤ ادھر | سینہ ہے میرا نشتر گاہ محشر دیکھتے جاؤ
وفا میں میرے ... سچا یا رقیب بوالہوس سچا | کسوٹی پر کھرے کھوٹے کو کسکر دیکھتے جاؤ
میری تربت ... وہ بچکے چلے تو حسرت یہ کہتی ہے | ذرا کشتہ تمنا ہے مزار پر دیکھتے جاؤ
ہوں میں بیمار جان آنکھیں بند ہیں نبض ساقط ہے | مریض غم کا ... یہ حال ابتر دیکھتے جاؤ
ابھی کیا ہے ابھی تو ابتدائے شعر گوئی ہے | کھلینگے علم کے دفتر کے دفتر دیکھتے جاؤ

جناب ڈاکٹر شوکت حسین صاحب صدیقی اڈیٹر رسالہ ہذا مراد آباد

تضمین

خدا جانے کہ کیا گذری ہی اسیر دیکھتے جاؤ مریض ناتواں کو بندہ پرور دیکھتے جاؤ
بہلا جلدی ہی کیا جانیکی دم بھر دیکھتے جاؤ کہا قاتل سے بسمل نے تڑپکر دیکھتے جاؤ
نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ

جنوں تہا عشق کے کوچہ میں قسمت لیگئی ہمکو گلوں کا شوق اور کانٹوں کی حسرت دیکھتے جاؤ
خطا کسکی ہماری ہی طبیعت لیگئی ہم کو ابھی گہر تھے ابھی صحرا میں وحشت لیگئی ہمکو
ابھی کیا کیا دکہاتا ہے مقدر دیکھتے جاؤ

یہ مانا ہم نے دنیا میں نہیں تمسا حسین کوئی نہ ایسی شکل و صورت اور نہ ایسا مہ جبین کوئی
بہلا کیا ہو مقابل گر نکل آئے نہیں کوئی یہ کیا تمنے کہا اچھا زمانہ میں نہیں کوئی
ذرا آئینہ بھی تم بن سنور کر دیکھتے جاؤ

دعا دو میں تہکا ماندہ ہوں پہنچوں اپنی منزلکو نہ رکھنا تم خدا کیواسطے محروم سائل کو
بدل سکتے ہو تم آسانیوں سے میری مشکل کو قرار آجائے شاید اے مسیحا مضطرب دلکو
ذرا سینہ پہ میرے ہاتھ رکھکر دیکھتے جاؤ

اگر جرگا لگانا ہی تمہیں منظور ہی دلبر اگر اک حشر ڈھانا ہی تمہیں منظور ہی دلبر
اگر فتنہ اٹھانا ہی تمہیں منظور ہی دلبر اگر بجلی گرانا ہی تمہیں منظور ہے دلبر
تم اپنے عاشقوں کو مسکرا کر دیکھتے جاؤ

مرے افسوں مرے اعجاز کی دنیا میں شہرت ہے جناب قیس کا بہی نام میری ہی بدولت ہے
خدای ہی ہے بندہ بیام خلقت ہے وہ کہتے ہیں زمانہ سے مرا چلنا قیامت ہے
ابھی قدموں سے آلپٹیگا محشر دیکھتے جاؤ

تقاضہ عشق کا ہے باندھ کر ہمت یہ کہتا ہے ہماری جان حاضر ہے دئے الفت یہ کہتا ہے
نکل جانے دے قاتل مرگ کی حسرت یہ کہتی ہے نہ رکے تیغ ہو کر اس سے اے شوکت یہ کہتا ہے
تماشہ مرغ بسمل کا ہی دم بھر دیکھتے جاؤ

میں کون ہوں

محمد یونس صاحب تمنا بڈھانوی مقیم دہرہ دون

آرزوئے عمرِ طولانی ہوں میں
موت سے ڈرتا ہوں گو فانی ہوں میں

کچھ نہیں پہلے تھا۔ اب بھی کچھ نہیں
نقشِ اوّل صورتِ ثانی ہوں میں

کچھ نہیں رکھتا ہوں ذوقِ آگہی
واقفِ اسرارِ پنہانی ہوں میں

کیفِ صہبائے سرورِ سرمدی
مستیٔ لذّاتِ نفسانی ہوں میں

خاکساری ہے طبیعت میں خودی
نصف قدسی نصف حیوانی ہوں میں

آدمیت ہے مری ادنیٰ صفت
مایۂ صد جہل و نادانی ہوں میں

کر چکا ہوں بیعتِ پیرِ مغاں
طالبِ ارشادِ روحانی ہوں میں

خاک پر ہوں مثلِ پانی سرنگوں
خاکساری میں بھی نورانی ہوں میں

مطلع
یادگارِ جورِ انسانی ہوں میں
مظہرِ الطافِ رحمانی ہوں میں

میری ہمدردی کا قائل ہے جہاں
ایک نا مقبول قربانی ہوں میں

بھائیوں کا کچھ نہیں محسود ہوں
درحقیقت یوسفِ ثانی ہوں میں

تھا وطن کی شادمانی بھی کبھی
اب تو غربت کی پریشانی ہوں میں

موت کا ہے پیش خیمہ زندگی
باقی رہنے کے لیے فانی ہوں میں

شاد باش اے نا امیدی شاد باش
آرزو کی پشیمانی ہوں میں

درحقیقت کچھ نہیں ہوں جانتا
شرحِ دعوائے ہمہ دانی ہوں میں

میری پیشانی میں جلوہ نور کا
روشنائے الفِ ثانی ہوں میں

رحمتِ حق پار کر دے گی مجھے
گو غریقِ بحرِ عصیانی ہوں میں

اے تمنا ہے مری قیمت بہت
جنسِ مفلس ہوں گرانی ہوں میں

مدرسہ عربیہ دائرۃ التوحیاد دہرہ دون واقع محلہ لنیاں سرحد منوگنج

مسلمانان دہرہ دون کی خوش قسمتی سے یہ مدرسہ بھی مثل دیگر مدارس عربیہ مذہبی و دینی تعلیم کے لئے مولوی شاہ محمد اعجاز جہاں صاحب قدوسی انتقاقی چشتی صابری ثم النظامی گنگوہی نے محلہ لنیاں میں ۱۰ رجون سنہ ۲۴ء کو قایم کیا ہے۔ جس میں بچوں اور جوانوں اور بالخصوص سن رسیدہ حضرات کو اسلامی تعلیم دیجاتی ہے۔ علاوہ ازیں یتیم و مسکین غریب لاوارث بچوں کی بہبودی و اصلاح اسکا اہم ترین مقصد ہے۔ معیار تعلیم صرف اُردو۔ فارسی۔ عربی ادب۔ و فقہ و تفسیر کی تکمیل ہے۔ اس کی امداد ہر ایک مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ کیونکہ یہ مدرسہ صرف ایک متوکل علی اللہ شخص کی تحریک سے وجود پذیر ہوکر ایک عظیم الشان اسلامی خدمت کو انجام دے رہا ہے۔ اس کا قیام اور ترقی اہل اسلام کی امداد اور توجہ پر موقوف ہے۔ بجز اسکے آمدنی کی فی الحال کوئی صورت نہیں۔

(خاکسار حکیم ناظر الدین احمد دہلوی۔)

دواخانہ حفظ الصحت بازار دہا مانوالہ دہرہ دون

ناظرین دواخانہ ہذا میں ہر قسم کی مفرد اور مرکب ادویات و نیز شربت۔ عرق خمیرے۔ اطریفل۔ معجونیں وغیرہ وغیرہ پورے اجزا اور نہایت صفائی سے تیار کئے ہوئے ارزاں قیمت پر ملتے ہیں۔ و نیز ہر قسم کی جڑی۔ بوٹی تازہ فرمایش پر ارزاں قیمت پر مہیا کیجا سکتی ہے۔ آزمائش شرط ہے۔ بیرونجات کے اصحاب کی فرمایش بذریعہ وی پی پارسل ہوگی۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ فرمایش کنندہ ہوگا۔ (منیجر دواخانہ ہذا)

۷۸۶

سلام بہ درگاہ خیر الانام

(از جناب مولانا مولوی اعجاز جہاں صاحب قدوسی النعمانی)

شہ انبیا صد صلوٰۃ و سلامی — بروحِ تو بادا چہ عالی مقامی
زہے عزّ و شانِ تو اے فخرِ آدم — کہ گوید خدا انتَ خیر الانام
دو عالم بعشقت گرفتار آمد — عجب غمزہ داری عجب خوش خرامی
بکویت دلم فارغ آمد ز شاہی — چو در گردنم ہست طوقِ غلامی
غمم کے ہراسان کند یا محمدؐ — مرا حرزِ جان است اسمِ گرامی
صبا گر قیامے کنی در مدینہ — رسان ایں پیامم بصد خوش کلامی

ہوس دارد اعجاز شوریدہ بیدل
بطوفِ حریمِ شما ہمچو جامی

اہل عرب کی ریاضی

(از جناب اے - ایم ضیاء الحسن صاحب ایم - ایس - سی (علیگ)

گذشتہ سے پیوستہ

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حساب ان علوم میں سے ہے جو عربوں نے دوسری زبانوں سے عربی میں نقل کئے اور اس میں بھی اُنہوں نے مثل دوسرے علوم کے کمال حاصل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل عرب میں دوسروں کی تصانیف کی قدر کرنیکا ایک خاص مادہ تھا خصوصاً یونانی معلموں اور ہندی ریاضی دانوں سے وہ زیادہ مستفیض ہوئے لیکن باینہ اہل چین اور مصریوں کی طرح اُنہوں نے یہ کوشش نہیں کی کہ وہ مضمون کی باقاعدہ کسی حد تک توسیع کریں - اگر انکی تصانیف کا یونانی یا یورپ کے موجودہ مصنفین سے موازنہ کیا جائے تو اُن کو کم و کیف کے لحاظ سے دوسرا درجہ دیا جائیگا۔

اہل عرب نے ریاضی کی ایک دوسری شاخ علم نجوم میں بھی بدرجہ اتم کمال حاصل کیا۔ اس علم میں بھی اہل عرب بذات خود کوئی دسترس نہیں رکھتے تھے بلکہ دوسرے علوم کیطرح یہ بھی خارجی ذرایع سے اُن کو معلوم ہوا۔ علم نجوم کے بانی مبانی حقیقت میں کلدانی ہیں اور انہیں لوگوں کو تمام دُنیا کا اُستاد تصور کیا گیا ہے - انکو اپنے ملک موسم کی حالت سے ایسی سہولتیں میسّر ہوئیں جن سے وہ ستاروں اور سیاروں کا آسانی کیساتھ مشاہدہ کر سکے۔ کواکب کے مقامات - برجوں کی کی علامتیں - منازل شمس و قمر کی نشانیاں یہ سب انہیں لوگوں کی مقرر کردہ ہیں - چاند اور سورج گرہن کا حساب آلات فلکیہ سے آج سے چالیس صدی پیشتر اُنہوں نے لگایا تھا۔

مسیح کی ولادت سے ۸ صدی پیشتر کلدانی اور بابلی قومیں حکمران تھیں پہلے آشوریوں نے ان پر حملہ کرکے غلبہ حاصل کیا اس کے بعد اہل فارس نے ان کے ملک کو فتح کر لیا اسوقت وہ لوگ گرد و نواح میں ہجرت کر کے چلے گئے۔ اور بہت سے ملک عرب میں چلے آئے۔ کیونکہ یہ ایک محفوظ مقام تھا اور انکی زبان بھی عربی سے ملتی جلتی تھی۔

ان مہاجرین میں ایک جماعت کاہنوں اور نجومیوں کی بھی تھی اہل عرب نے ان سے نجوم کے معلومات حاصل کیے۔ اگرچہ کچھ نجوم کے حالات عربوں کو ہندوؤں کے ذریعہ سے بھی معلوم تھے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم نجوم میں اہل عرب کلدانیوں کے مقروض ہیں اور وہ ان کو صابیہ کہتے تھے۔ یہ لوگ بطور یہود اور نصاریٰ کے خیال کیے جاتے تھے اور عربوں نے سیاروں وغیرہ کے نام ان ہی سے سیکھے ہیں۔ جیسا کہ بعض ناموں کی لفظی اور معنوی مشابہت سے پتہ چلتا ہے۔ شلاً مریخ۔ کلدانی زبان میں اسلو مرداخ کہتے ہیں۔ زحل۔ عربی میں اسکے معنی بلندی کے ہیں اور کلدانی میں کاؤن کہتے ہیں۔ اسکے معنی بھی بلندی کے ہیں۔ بروج اور منازل قمر کے نام بھی اسی حیثیت سے ہیں جو کلدانی زبان میں تھے۔ ذیل میں ہم بروج کے عربی اور کلدانی نام درج کرتے ہیں۔

عربی	کلدانی	عربی	کلدانی
۱۔ حمل	امرا	۵۔ اسد	اریا
۲۔ ثور	تورا	۶۔ سنبلہ	شبلتا
۳۔ جوزا یا توام	تامی	۷۔ میزان	ماسانا
۴۔ سرطان	سرطان	۸۔ عقرب	عقربا

کلدانی	عربی	کلدانی	عربی
قشتتا	۹۔ قوس	دوا ا	۱۱۔ دلو
کدیا	۱۰۔ جدی	نون	۱۲۔ حوت

ستاروں کے نام عربی میں زمانہ قدیم سے چلے آتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کو ستاروں اور سیاروں کی شناخت بہت قدیم زمانہ سے تھی۔ مثال کے طور پر چند نام یہ ہیں۔ سہا۔ رامح۔ سماک۔ فرقد بنات النعش۔ کبریٰ و صغریٰ۔ راعی۔ کلب الراعی۔

اہل عرب منازل قمر اٹھائیس مانتے ہیں اور ہندوؤں کے خیال سے صرف ستائیس ہیں اور اہل عرب منازل کا شمار سرطان سے کرتے ہیں۔

عربوں نے ابتدائے دولت عباسیہ میں علم نجوم میں قابل قدر کمال حاصل کیا۔ وہ اسقدر ماہر تھے کہ سفر میں ستارے انکی راہ نمائی کرتے تھے اگر کوئی شخص کسی شہر کا راستہ دریافت کرتا تھا تو اس سے کہدیتے کہ فلاں ستارہ کی سیدھ میں چلے جاؤ اور وہ شخص ایسا کرنے سے منزل مقصود پر پہنچ جاتا۔ اسی طرح سے موسمی ہواسے جہات اربع کا پتہ بتاتے تھے۔

اہل ہند بھی زمانہ قدیم میں نجوم اچھی طرح جانتے تھے اگرچہ اُنھوں نے بھی نجوم کے بہت سے احکام کلدانیوں سے سیکھے۔ لیکن انکو خود اس میں اسقدر انہماک ہوا کہ تمام اقوام عالم سے وہ سبقت لیگئے اس کی وجہ یہ تھی کہ انکے متعدد مذہبی احکام نجوم پر مبنی تھے جس میں انکے تین مذہب ہیں آرجبھر۔ ارگند۔ سدہاند۔ سندہند اہل ہند کی نجوم پر مستند کتاب ہے جب اسکا ترجمہ عربی میں ہوا تو اہل عرب نے بھی اس کی تقلید شروع کردی اور محمد بن الفزاری اور محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اسی کے مطابق کتابیں لکھیں

مسلمان مصنفین نے نجوم میں ہندوؤں کی کتابیں یاتو خود سنسکرت میں پڑھیں یا عربی میں- ابوریحان البیرونی مسلمانوں میں ہندوؤں کے علوم اور نجوم سے زیادہ واقف تھا- اس نے ہندوستان آکر سیاحی کی- ہندوؤں کے علوم اور آداب سیکھے اور اس کے بعد بہت سی کتابیں ہندی علوم پر تصنیف کیں- (باقی باقی)

*

خلق وارتقا

جناب اکبر الہ آبادی مرحوم و مغفور

جو ناواقف ہیں انگلش سے وہ یہ نکتہ نہیں سمجھے
بیانِ ارتقا کو سُن کے بیشک قوم لے دوڑے سے
جو ہیں انگلش میں ماہر بے خبر ہیں دین و قرآں سے
دقائق پر نظر کرتے نہیں وہ چشم ایماں سے
کری ایشن کے معنی خلق جس میں فاعلیت ہے
اوولیوشن سے خود بڑھنے کی پیدا قابلیت ہے
یہ لفظ ارتقا خالق کا منکر لب پہ لایا ہے
کلام اللہ کو دیکھو کہ لفظ خلق آیا ہے
ارادہ خلق میں شامل ہے اُس[۲] میں بے شعوری ہے
خدا کی وا[۳] حضوری ہے یہاں[۴] خالق سے دوری ہے

۱؎ ارتقا ۲؎ یعنی ارتقا میں ۳؎ خلق میں ۴؎ ارتقا

کری ایشن ارادی ہے اوولیوشن ہے اکحالت
یہ بے دینی ہے بے خاطر کے گر تم مان لو فطرت
جہاں جس چیز کی حد تھی کیا ختم اُس کو فطرت نے
بڑھایا مختلف ذرات کو خالق کی قدرت نے
نہیں تدریج و وقت مختلف سے اہل دیں منکر
کہ یہ تدریج کی حالت ہے خود قرآن سے ظاہر
اوولیوشن میں انکار صفات حق تعالیٰ ہے
سمجھ لیگا مسلماں جو تامل کرنے والا ہے
خدا کی حکم و مرضی کا اگر ہے ڈاروِن قائل
تو کیوں انکار لفظ خلق پر ہے اس قدر مائل
طریق خلق کی توضیح میں وہ ارتقا کہہ دے
مگر اس ارتقا کی موج کو حکم خدا کہہ دے
خدائے ڈاروِن گم ہے اوولیوشن کی موجوں میں
مقید ہوگیا ہے ارتقا نیچر کی فوجوں میں
ظہورِ نوع کو اظہار تجویز ازل سمجھ
مرورِ وقت کو قانون باری کا عمل سمجھ
وہی ہے جملہ اشیاء و علل کا خالق برحق
خدائے اہل ایماں ہے خدائے قادر مطلق

اخلاقی فرض۔ شمع تجلی بطور نمونہ بھی بھیجا جاتا ہے۔ جن حضرات کی خدمت میں بطور نمونہ پہنچے۔ وہ اپنے خیال خریداری یا عدم خریداری سے مطلع فرمادیں۔ ورنہ بحالت خاموشی آئندہ پرچہ وی پی بھیجا جاویگا (مینیجر)

جس کا وصول کرنا اخلاقی فرض ہے۔

شریمتی سروجنی دیوی

(گذشتہ سے پیوستہ)

بچپن

شریمتی سروجنی ۱۳ فروری ۱۸۷۹ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئیں ان کے والد ماجد ڈاکٹر گوری ناتھ ایک قدیمی برہمن خاندان میں سے ہیں جنہوں نے ۱۸۷۷ء میں ایڈنبرا کی یونیورسٹی سے سائنس کی سند حاصل کرکے بون میں تعلیم حاصل کی تھی۔

ہندوستان میں واپس آکر اُنھوں نے نظام کالج حیدر آباد کو قائم کیا اور وہ آخری وقت تک تعلیمی مشاغل میں محو رہے اُنھوں نے اپنی سب سے بڑی لڑکی شریمتی سروجنی کو نہایت اچھی طرح تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ خود شریمتی جی نے ایک بار اپنی تقریر میں کہا آباؤ اجداد کئی ہزار سال سے قدرتی مناظر کے شیدائی ہونے کے علاوہ علم ادب اور فقر کے دلدادہ تھے مجھے خیال ہے کہ ہندوستان بھر میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا شخص ملیگا جو علمی قابلیت میں میرے والد ماجد سے فاضل تر ہو میرے والد سفید ریش ہیں اور اُنھوں نے اپنا تمام روپیہ غربا کی امداد و علم کیمیا پر صرف کردیا ہے۔ وہ ہر روز اپنے باغ کے صحن میں ایک عام محفل کرتے ہیں۔ جہاں رئیس۔ فقیر۔ گدا۔ سادھو۔ سنت اور ہر طبقہ کے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور وہ اُن تمام سے یکساں سلوک کرتے ہیں وہ رات دن کیمیا کی تجارب میں

بسر کردیتے ہیں اور وہ ایجاد کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔ میں بچپن ہی سے تفکر و تخیل کی شیدا رہی ہوں۔ لیکن مجھے مشق سخن کا کوئی خاص اشتیاق نہیں تھا اور میرے والد ماجد نے بھی مجھے زیادہ تر سائنس وغیرہ کی تعلیم دی تھی وہ مجھے ریاضی دان یا سائنس دان بنانا چاہتے تھے۔ لیکن شاعرانہ جذبات نے فوقیت حاصل کرلی۔ گیارہ سال کی عمر میں ایک روز میں کسی سوال کو حل کررہی تھی مگر سوال کا جواب پے در پے غلط نکلتا تھا اور اسی حیرانی کے درمیان اچانک چند اشعار موزوں ہوگئے۔ میں نے اُن اشعار کو لکھ لیا اور اُسی روز سے میں مشق سخن کررہی ہوں تیرہ سال کی عمر میں میں نے چھ روز کے عرصہ میں ایک ایسی طویل نظم لکھی جس میں تیرہ سو ابیات تھے۔ اسی عمر میں میں نے ایک ڈراما بھی تصنیف کیا جس میں دو ہزار ابیات تھے۔ میں مطالعہ کی بہت شائق تھی۔ اور اسی عمر میں کثیر مطالعہ کے باعث میری صحت پر مضر اثر پڑا۔ میرے خیال میں میں نے تیرہ اور سولہ سال کی عمر میں زیادہ تر مطالعہ کیا تھا۔ اور میں نے ۱۶ سال کی عمر میں ایک ناول بھی لکھا تھا۔

شریمتی کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن ہی میں شاعرانہ خیالات کا اظہار شروع ہوگیا تھا۔ جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے۔ قدرتی ملکات کا اظہار کمسنی ہی میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بیرونی دُنیا کی خوبصورتی اور عشق و محبت کی اندرونی دُنیا کا تلاطم شاعر حقیقی کی رباب تخیل کے لئے ایک موثر مضراب ہے۔ جس کے سرتمی خیالات کی رنگینی اور شیرینی مترشح ہوتی ہے

شریمتی نے ۱۲ سال کی عمر میں مدراس یونیورسٹی سے امتحان انٹرینس پاس کیا اور اُن کی ہندوستان بھر میں دھوم مچ گئی۔

سنہ ۱۸۹۵ء میں انہیں انگلستان بھیجا گیا جہاں وہ سنہ ۱۸۹۸ء تک تعلیم حاصل کرتی رہیں

ماہِ کامل

اے مہ کامل جنوں انگیز ہے تیری ضیا　　نور سے تیرے ہے چلتا نور خالق کا پتا
ہے غضب صحنِ فلک پر ناز سے چلنا ترا　　دل سے بھاتی ہے ترے شیدا کو یہ تیری ادا
گرد گرد اکثر جو رہتا ہے ترے ہالا ترا
یہ بھی کیا میری طرح ہے چاہنے والا ترا

آفتِ صد خرمنِ دل ہے رخِ روشن ترا　　نام ہو جسکا مجسم نور وہ دامن ترا
ہے قیامت خیز یہ نکھرا ہوا جوبن ترا　　سو بناوٹ سے ہے بڑھ کر ایک سادہ پن
کبک بھی تیری اداؤں کا ہے گرمایا ہوا
جانور کا دل ہے ترے حسن پر آیا ہوا

رشک کے قابل ہے اے شمعِ فلک تیرا کمال　　نور تیرا بے مثل ہے آپ ہے تو بے مثال
آہ! یہ تیری صباحت ہائے! یہ تیرا جمال　　صاف ہے تجھ سے نمایاں شانِ پیشانیٔ جمال
چشمِ عالم سے ہوا منظور جب چھپنا تجھے
ٹکڑے ہائے ابر تیرے رخ پہ برقع بن گئے

کیوں کے بیلا اے شب کیواسطے شانہ ہے تو　　زینتِ عالم ہے رونق بخش کاشانہ ہے تو
ہائے کس شمعِ شبستانی کا پروانہ ہے تو؟　　کونسا ہے وہ پری رو جس کا دیوانہ ہے تو
داغ ہے سینے میں تیرے دردمندوں کی طرح
تو بھی عاشق پیشہ ہے اسعد کے بندوں کی طرح

فیض سے تیرے یہ کیا اے ماہ تاباں ہو گیا　　رو کشِ صحنِ گلستاں ہر بیاباں ہو گیا
جس طرف اٹھا قدم تیرا چراغاں ہو گیا　　ظلمتِ شب چھپ گئی اندھیرا پنہاں ہو گیا

تو ہے آئینہ قدرت قادر دکھلانے کے لئے
چاندنی کا فرش عالم پر بچھانے کے لئے

کام میں سرگرم ہے اے جان صبح و شام تو
ہاں نہیں ہرگز اسیر پنجۂ آرام تو

آ کے آسائش کا دیتا ہے ہمیں پیغام تو
دافع افکار ہے تو۔ رافع آلام تو

تو شراب خواب کا ساغر پلاتا ہے ہمیں
جاگتا ہے پاسباں بنکر۔ سلاتا ہی ہمیں

(بدر الدین قیصری)

ایک رات

دس بجے ہونگے۔ چاندنی رات تھی۔ برآمدوں سے قریب ہی صحن میں کرسیوں اور چارپائیوں پر چار چار پانچ پانچ آدمی خوش گپیوں میں مصروف تھے وہ وقت کچھ ایسا دلکش تھا اور نوجوانی کی بے تکلف گفتگو چٹکلوں اور لطیفوں سے رنگ محبت اس قدر گرم ہو رہا تھا کہ سونیکا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہوتا تھا۔ دفعتہً آسمان کا چہرہ مکدر ہونا شروع ہوا۔ ہوا میں سرسراہٹ پیدا ہو گئی اور وہ زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہونے لگی۔ چاند کا پیارا پیارا شوخ رنگ پھیکا پڑ گیا اور تارے جھلملا جھلملا کر رہ گئے۔ کسی نے کہا دیکھو آندھی آن پہنچی"۔ سب گھبرا گھبرا کر دیکھنے لگے حقیقت میں مغربی آسمان زرد ہو رہا تھا اور یہ زردی ہر گھڑی آگے کو بڑھتی آتی تھی۔ دو ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ گرد و غبار کے سیلاب نے

چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دھول اور مٹی اڑا اڑا کر آنکھ کان ناک اور منہ کی خبر لینے لگی اور طوفان کے شدید تھپیڑے پڑنے لگے۔ کواڑوں کے زور زور سے ٹکرانے اور کھٹا کھٹ کی آواز سے یاد آگیا کہ کمرے کھلے ہیں اٹھے اور رومال سے چہرہ ڈھک کر ڈنکل سے کمرے پر پہنچے۔ دروازہ بند کیا۔ صحن سے برآمدے میں کھینچ کر ننگی چارپائی پر چادر میں سر لپیٹ پڑ رہے۔ کچھ دیر ضرور اضطراب اور پریشانی میں کٹی۔ گرد و غبار سے جو گرداب کی مانند ہو رہا تھا کچھ سوجھ نہیں پڑتا تھا۔ کہ کس پہلو پر سوئیں اور کس پر نہ سوئیں چند کروٹیں بدلیں۔ بے چینی اور گھبراہٹ کا اظہار کیا مگر مجھکو یقین ہے کہ تھوڑی ہی دیر بعد خراٹے مار رہا ہوں گا۔

معلوم نہیں کیا وقت تھا کہ اچانک آنکھ کھل گئی۔ ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتا کہ کیونکر مگر مجھے تو محبت خانم پر کچھ بدگمانی سی ہو رہی ہے۔ ورنہ جاگتے کے ساتھ ہی کیوں میں نے ہاتھ کی پشت کو چارپائی کے پائے سے رگڑ رگڑ دیا تھا۔ مگر جس طرح بھی آنکھ کھلی ہو اور جس کی وجہ سے بھی کھلی ہو وہ میرے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔ میں نے آنکھیں کھول کر کیا دیکھا۔ آہا کیا کیفیت تھی۔ نور کا وقت تھا ہوا تھم گئی تھی اور زمین و آسمان پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس وحشت خیز آندھی کی بجائے جس میں میں نے آنکھیں بند کیں تھیں۔ ہلکی ہلکی فرحت افزا نسیم چل رہی تھی۔ یہ کسی ننھے سے باجے کی سریلی آواز کس طرف سے آ رہی ہے؟ شاید یہ رفیق شب جھینگر ہے کہ اس بیخودی کے ساتھ ایسی میٹھی مسلسل تان اڑا رہا ہے۔ نسیم کے جھونکے کہ پیہم اور لگاتار نہیں ہیں۔ اگر روحانی سرود فرض کئے جائیں تو معلوم ہوتا تھا کہ جھینگر اس روح پرور سرود کے لئے تنبور کا کام دے رہا ہے۔

چاند - واہ کیا پیارا نام ہے مگر مجھ کو شبہہ ہے کہ اس کی اسوقت کی صورت کے لئے یہ نام بھی موزوں ہے یا نہیں - جی چاہتا تھا کہ اس کو ملکہ فلک بلکہ مالکہ فلک کا تاج کہوں مگر کوئی نام بھی اس پیاری اور دل لبھانے والی صورت کا صحیح خیال دلانے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا جو نصف آسمان سے کچھ ڈھلا کر ٹکٹکی باندھے ہوئے دُنیا اور اہل دُنیا کو تک رہی تھی - کیا وہ اس خیال میں محو ہے کہ میرے نور نے ان چیزوں کو کتنا خوبصورت بنا دیا ہے - نہیں اس کو تو یہ معلوم ہی نہیں کہ خدا نے اس کو ایسی پیاری - دلفریب صورت عطا کی ہے - معلوم ہوتا تو ممکن تھا وہ یوں اہل دُنیا کو اپنے حسن کے مزے لوٹنے دیتی ؟ اس بھولی بھولی حسین صورت کو دیکھ دیکھ کر کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ سرور و نشاط کا عالم اس پر چھایا ہوا ہے - ابھی ایک دلکش اور ہمدردی پیدا کرنے والی اُداسی برسنے لگتی تھی - کبھی متانت سنجیدگی اور محسوس وقعت کا اظہار ہوتا تھا - کبھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ اہل دُنیا کو اپنے پاس کھینچنے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو خود ہی اُن کے پاس چلے آنے کے لئے بیتاب ہو رہی تھی - پُرانے یونانی شعرا کو شاید ایسی ہی ادا نے دھوکا دیا ہوگا کہ اُنہوں نے اس کو سچ مچ انڈے میں کے آغوش میں لا سلایا - مگر پیارے چاند تجھ پر کسی خاص کیفیت کو محمول کر سکنا ناممکن ہے جس طرح تیری صورت کو غور سے دیکھنے والے تیری تعجب خیز خوبصورتی سے مسرور - کبھی تجھ سے دُور ہونے کی وجہ سے مغموم معلوم ہوتے ہیں - کبھی تیرے نور سے فیضیاب ہو کر سرچشمہ ہستی کے مشکور اور کبھی تیری سرتاپا راز زندگی سے متحیر ہو جاتے ہیں - ممکن ہے کہ خود تجھ پر اہل دُنیا کو دیکھ دیکھ کر یہ کیفیتیں پیدا ہوتی ہوں - کیوں کہ باوجود اس پستی کے ہم بھی قدرت کی

ایک عجیب و غریب صنعت ہیں۔ بلکہ خالق کائنات کے قول کے مطابق ہم انسان تو اشرف المخلوقات یعنی تجھ سے بھی کچھ بڑھ کر ہیں۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ اپنی طرح ہم تجھ کو بھی مختلف کیفیتوں کا محکوم سمجھ لیں۔

مجھ کو اس خیال سے بڑی خوشی ہوئی کہ اس خوبصورت منظر کو زیادہ خوبصورت بنا لینا میرے بس میں تھا۔ چارپائی پر لیٹے لیٹے آنکھ پر انگلی رکھ کر چاند کے ساتھ کھیلنا شروع کیا۔ ابھی ایک چاند تھا۔ میری تھوڑی سی کوشش سے دو ہو گئے۔ پھر ایک چاند تو فوق السما پر تھا اور دوسرا منتہائے افق پر سطح زمین کے بوسے لے رہا تھا۔

تاروں پر چاند کی روشنی اس قدر غالب آگئی تھی کہ وہ بالکل اس عالمگیر نور کا ایک حصہ ہو گئے تھے۔ میں نے بہتیرا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر کسی چھوٹے تھنے تارے کی صورت دکھائی نہ دی۔

نیم کے درختوں کی ایک قطار مجھ سے کچھ فاصلے پر ہو کر گذرتی تھی۔ چاہیئے تھا کہ وہ اس نور کی کیفیت کو کم کر دیتی۔ مگر نہیں اُن کا بیخودی کے عالم میں جھومنا اور ایسے وقت میں کہ ساری نیچر سو رہی تھی۔ سائیں سائیں کرنا۔ کسقدر بھلا معلوم ہوتا تھا۔ ٹہنیوں پر کوہ قاف کی ان دوشیزہ اور باکباز لڑکیوں کا گمان ہوتا تھا جو کسی سرسبز چوٹی پر گلے چراتے وقت ایک بیفکری کے عالم میں کھیل کود میں مصروف ہو جائیں اور تکلف کی زنجیریں اُتار کر ناچنے لگیں۔ اُف وہ کیا وقت تھا کہ فطرتِ انسانی سارے پست خیالات سے پاک ہو کر قدرت کی نیرنگیوں میں محو ہو جاتی تھی۔ دیکھو وہ شاخیں ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں اور اس تنہائی اور فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھ کر چہلیں کر رہی ہیں۔ ہوا کا وہ دوسرا جھونکا آیا اور جیسے کوئی چلبلی طبیعت کی طرارہ

کی سی شوخی لئے ہوئے فقرے کی تاب نہ لاکر کھٹ سے الگ ہو جاتی ہے بعینہ وہ شاخ پھرتی سے دوسری کو جھٹکا دے ایک طرف کو جھک گئی ہے۔ اوپر سے پاک دل چاند یہ تماشا دیکھ رہا ہے۔

خاموشی کا یہ عالم تھا کہ آسمان سے زمین تک کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جھینگر کی آواز بلکہ پیہم راگ تو البتہ تھا۔ مگر وہ اس فرحت بخش کیفیت میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ میں اس کو بھی چاندنی ہوا یا خاموشی کا ایک جزو تصور کرنے پر زیادہ مائل تھا۔ اس سناٹے میں مجھکو یہ خیال ہوتا تھا کہ دُنیا میں صرف چار ہی چیزیں زندہ ہیں۔ چاند۔ درخت۔ ہوا اور میں کاش یہ غلط فہمی کچھ دیر قایم رہ سکتی۔ اس سہانے سمے کے دل کھول کر لطف اُٹھا رہا تھا۔ تکلف کا خیال بھی دل کی وارفتگی کو چھو نہ گیا تھا۔ نیکی کے فرشتے روح کے کانوں میں کچھ عجب ہوش رُبا راگنی گا رہے تھے کہ العلم حجاب الاکبر کی سچائی بڑے زور سے مجھ پر ظاہر کی گئی۔ عین اس موقع پر کہ دل محویت سے بھرا ہوا تھا۔ شاعروں کی طرف خیال رجوع کر گیا کہ ایسے ہی مناظر ہونگے جن سے متاثر ہو کر وہ نیچر پرست ہو گئے۔ میں کیوں اس موقع اور وقت سے شاعرانہ سبق اخذ نہ کروں؟ اس خیال کا آنا تھا کہ تکلف اور تکلف کے ساتھ تصنع نے میری ازخود رفتگی پر قبضہ کرنا شروع کیا ایک پژمردہ خشک پتے کی کھڑک کانوں میں پڑی۔ یہ اس عالم خاموشی میں پہلی بے ربط آواز تھی جس نے توجہ کو کسی اور طرف مائل کیا ہو۔ اس آواز کا اثر ابھی تازہ ہی تھا کہ صفدر کی چارپائی پر سے "اللہ میاں کیا کر رہے ہو؟" کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز شکایت کا پہلو لئے ہوئے تھی اور بلا شبہ مجھکو ناگوار معلوم ہوئی۔ مگر فوراً خیال آیا کہ شاید یہ کسی منحوس

خواب کا نتیجہ ہو۔ پُورے طور پر ابھی یہ خیال پیدا نہیں ہونے پایا تھا کہ سردار۔ کریم نے یکے بعد دیگرے صفدر کو مخاطب کر کے پوچھا "کیوں بھئی کیا ہے؟" ان بزرگوں نے متعدی مرض کا کام کیا۔ ایک ایک کر کے چارپائیوں پر سے آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ان کرخت آوازوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک نہایت ہی خوشگوار خواب میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا جاتا ہے۔

سنبھلنے دے مجھے اے نا اُمیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

افسوس یہ ظالم اور بے درد آوازیں اس دلچسپ طلسم کے توڑنے میں ایک حد تک کامیاب ہو گئیں۔ کچھ یونہی سا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا تھا کہ سڑک پر سے ریل کی سیٹی اور پھر گھڑگھڑاہٹ کی آواز کانوں میں پڑی۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ مؤذن نے اپنی کرخت آواز بلند کر دی۔ جس کے ختم ہوتے ہی کالج کے مختلف شعبوں کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور اُنہوں نے سارا طلسم توڑ دیا۔

اب نہ ہوا میں وہ خنکی تھی نہ چاندنی ہی کا کچھ پتا تھا۔ جھینگر اپنی راگنی ختم کر نہیں معلوم کسی کونے میں چھپا پڑا تھا۔ درختوں میں وہ کیفیت باقی تھی۔ نہ شاخوں ہی پر کوہ قاف کی پریوں کا دھوکا ہوتا تھا اور خاموشی کی بجائے ٹوں ٹن ٹن ٹنا ٹن کی آواز کانوں کو دق کر رہی تھی۔

(حاجی محمد خان)

فوجی رسالہ۔ اُردو کا ماہواری رسالہ جس میں ہر قسم کے دلچسپ مضامین اور قصے کہانیاں اور فوجی مضامین وغیرہ درج ہوتے ہیں۔
نمونہ مُفت ملنے کا پتہ منیجر فوجی رسالہ دہرہ دون

یاس و اُمید

ہنگامِ نزع دل کو کشاکش ہے کس قدر
کس طرح کیفیت مری نوعِ دگر نہ ہو
اُمید و یاس خانۂ دل میں ہیں میہماں
ہر ایک کا ہے قول اِدھر ہو اُدھر نہ ہو
کہتی ہے یوں اُمید کہ دُنیا ہے دارِ عیش
یہ بات گر نہ ہو تو کسی کا گذر نہ ہو
کہتی ہے یاس فضل خدا سے ہی تو عقیل
باتیں یہ سب فریب کی ہیں کچھ خبر نہ ہو
کہتی ہے تب اُمید کہ یار آئے گا ضرور
اے بیقرار مائل موت اس قدر نہ ہو
کہتی ہے یاس تجربہ کاروں کی بات سُن
گر مر بھی جائے تو۔ تو لحد پر گذر نہ ہو
مشکل ہے شاد ... کی جاتی ہے لاگ ڈانٹ
کہیے کدھر ہو صاحب خانہ کدھر نہ ہو

(شاد عظیم آبادی)

مصر میں آزادی نسواں کی تحریک

(مترجمہ جناب منشی سعید احمد صاحب عثمانی از سلمواڈ کلک)

ٹرکی میں تو واقعات کی موجودہ رفتار اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہاں خواتین حرم" کا لفظ جلد ایک قصہ پارینہ بنجا ئیگا لیکن مصر میں یہ حالت نہیں یا کم از کم کچھ مدت تک ایسا ہونے کی توقع نہیں۔ موخر الذکر ملک میں تعلیم نسوان گذشتہ چند سال تک صرف چند مستحق ہستیوں ہی تک محدود رہی ہے اور ان ہی خوش قسمت خواتین پر مصر کی صنف نازک کی آیندہ آزادی کا دار و مدار ہے۔ بہت سی اعلیٰ دماغ مصری خواتین حرم کے رسم و رواج کی بہ طیب خاطر پابندی کرتی ہیں۔ نہ اسلئے کہ وہ ایک وسیع تر زندگی کی ذمہ داریوں کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ اسوجہ سے کہ وہ کافہ جنس کی فلاح و بہبود اسی امر پر منحصر سمجھتی ہیں کہ آزادی کی رفتار تدریجی ہو۔ کیونکہ اُن کو یقین ہے کہ ایک نا مکمل سوسائٹی میں آزادی کا غلط استعمال حقیقی اور دیرپا ترقی کیلئے سد راہ ہوگا۔

طبقہ اعلیٰ کی تمام خواتین مکمل آزادی کی اہل اور اسکے لئے بالکل تیار ہیں۔ لیکن متوسط اور ادنیٰ طبقہ کی خواتین کی حالت اُن سے مختلف ہے۔ ان کو اپنی ذاتی اہمیت کا بالکل احساس نہیں ہے اور ان میں صرف اس احساس ہی کے پیدا کرنے کے لئے دشوار گذار مراحل طے کرنا ہونگے

بنات الامراء

امراء کی لڑکیوں کی تعلیم یورپ کے طبقہ امراء کی لڑکیوں کی تعلیم سے

بہت مشابہ ہے۔ انگریز یا فرانسیسی اُستانیاں اُن کی تعلیم کے لیے مقرر ہوتی ہیں جن کی تکمیل اکثر یورپ کے کسی جدید ترین مدرسہ میں کی جاتی ہے اس قسم کی تعلیم یافتہ لڑکیاں مشرقی حسن لطافت تہذیب و شائستگی اور مغربی ٹیپ ٹاپ و خوش انتظامی کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ شادی کے بعد ایسی لڑکیاں اپنی قدرتی اور تعلیمی نعمتوں کو شوہروں اور خاندانوں کی فلاح و بہبود میں صرف کرتی ہیں۔ وہ اپنی سرگرمیوں اور اپنے تاثرات کو خاندان کے دائرہ ہی میں محدود نہیں رکھتیں بلکہ اُن کو بسا اوقات سیاست صنعت و حرفت اور دیگر نیا فضانہ امور اور سوسائٹی کے مفاد کے لئے بھی ایک حد متعینہ تک استعمال کرتی ہیں۔

سیاسی امور کے متعلق بہت سی مصری خواتین کی رائے اپنے گھر کے مردوں کی رائے سے بسا اوقات مختلف ہوتی ہے۔ اُن کی رائے صائب ہوتی ہے اور نہایت دلیری اور اعتقاد سے اُس پر کاربند ہوتی ہیں مصری خواتین سیاسی مجالس منعقد کرتی ہیں۔ مظاہروں میں شریک ہوتی ہیں اور پروپیگنڈا کی نشر و اشاعت میں حصہ لیتی ہیں۔

زمانہ حال کے مصری فنون بھی بہت کچھ خواتین حرم کے مرہون منت ہیں۔

قاہرہ میں تصویروں کی سالانہ نمائش کی بانی مبانی رہی ہیں جس میں مصوران زمانہ اور زیادہ تر مصری تصویر کشوں کی تیار کردہ تصاویر کی نمائش ہوتی ہے اور ان اہل فنون میں ہمیشہ ایک معقول تعداد مصری خواتین کی ہوتی ہے۔ فیض رسان تعلیم گاہوں صنعتی و حرفتی مدرسوں اور بیچی جراحی گاہوں میں مصری خواتین گرمجوشی کے ساتھ امداد دیتی ہیں اور اس قسم کے تمام امور کا عملاً انتظام کرنیکی

بھی پوری قابلیت رکھتی ہیں۔

تمدّنی زندگی

مصر میں ابھی تک شوہروں کے ساتھ بیویوں کو دعوت دینے کا دستور عام طور پر رائج نہیں۔ گو بعض گھرانوں میں ایک نہایت محدود حد تک ایسا کیا جاتا ہے۔ مصری خواتین اپنا زیادہ وقت تمدنی فرائض کی انجام دہی میں صرف کرتی ہیں۔ لیکن زمانہ حال کی خواتین حرم فارغ اوقات میں گھوڑ دوڑ بائسکوپ۔ تھیٹر۔ یا دیگر تماشہ گاہوں سے محظوظ ہوتی ہیں۔

پبلک میں آنیکے لئے ان خواتین کے چہروں پر ایک نہایت نازک اور باریک نقاب ہوتا ہے۔ یہ نام نہاد نقاب نہ صرف اپنے غرض کی تکمیل سے بالکل قاصر رہتا ہے بلکہ اس کے برعکس اُن کے حسن وجمال کو دوبالا کردیتا ہے۔ جس پر حسینان پیرس جس قدر بھی رشک کریں کم ہے۔ مکان سے باہر جانے کے لئے مصری خواتین عموماً سیاہ ریشم کا ایک مخصوص لباس پہنتی ہیں جسکی تراش اور وضع نہایت نفیس ہوتی ہے اور جو ان کے سڈول اور گدگدے جسم کو بجائے چھپانے کے اور نمایاں کرتا ہے۔ لیکن مکان کے اندر جبکہ برقع کا غلاف علیحدہ کردیا جاتا ہے۔ یہ طلسم منظر زیب دوسری صورت اختیار کرتا ہے۔ اُس وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے سامان عیش و آرائش کو ان مشرقی حسن کی دیویوں پر جن کا مسکن مابین شرق وغرب ہے نثار کیا گیا ہے اور جن کے جبلی شوق آرائش اور وحشیانہ آراستگی میں پیرس کی ذوق پسند سوسائٹی کی صحبت نے ایک اعتدال اور شائستگی کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ گویا کہ وہ ایک ایسی دلربا

مخلوق ہے جو ہنوز دوران انقلاب میں ہے۔ جس کے لطیف و اثر پذیر حالات ناشائستہ زندگی سے مس ہو کر بے حس نہیں ہو گئے ہیں جسکے اخلاق و اطوار میں اپنے تنہائی و یکسوئی پسند بزرگوں کی پاکدامنی و عفت شعاری موجود ہے اور جس کا حسن قدرتی عناصر کے تند اثر یا جفاکش زندگی کے مظالم سے جو اُس کی آزاد تر بہنوں کا حصہ ہے ماند نہیں ہوتا ہے۔

بنات المتوسطین

طبقہ متوسط کی لڑکیاں رفتہ رفتہ سرکاری مدارس میں داخل ہوتی جاتی ہیں جہاں کہ وہ جدید ترین تعلیم سے فیضیاب ہوتی ہیں۔ ان مدرسوں کا نصاب تعلیم نہایت غور و خوض کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُن میں وسعت فہم اور خود اعتمادی کا مادہ پیدا ہو۔ ان مدارس کی تعلیم سے یہ منشا نہیں کہ وہ بے خانماں ہو جائیں یا آیندہ زندگی کے لئے اُن کو نااہل بنایا جائے بلکہ اس کے برعکس نہایت لائق اور قابل اُستانیاں مقرر کیجاتی ہیں اور حفظ صحت۔ ورزش جسمانی۔ خانگی کفایت شعاری تربیت اطفال اور قدرتی اشیاء کی تعلیم پر خاص طور سے توجہ دیجاتی ہے اور یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ ان تمام مضامین میں مصری سرکاری مدارس یورپ کے بہت سے مشہور تعلیمی مرکزوں کو اچھی طرح سبق دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ لڑکیاں بھی نہایت دلکش۔ فہیم۔ ہوشیار اور خوش و خرم ہوتی ہیں اور اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ مصر کے مستقبل پر اُن کا نہایت مفید اثر پڑے گا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ لڑکیوں کے والدین بھی گورنمنٹ کے ممنون و مشکور ہیں کہ اُس نے اُن کی لڑکیوں کے لئے جو کہ طالبعلمی کے

زمانہ میں بھی آیندہ ارتقا کے ہراول ہیں اس قسم کی سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں۔ مصر میں تعلیم لازمی نہیں لیکن گورنمنٹ علم کو عوام کے بچوں تک پہنچانے کی قابل تعریف کوشش کر رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کے بچے ہزارہا کی تعداد میں ابتدائی مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں۔

تعدد ازدواج

کاشتکاروں میں ابھی تک تعدد ازدواج عام طور سے جاری ہے جو کہ اصولاً بعض تمدنی اور کفایت شعارانہ حالات پر مبنی ہے اور جس وقت تک کہ یہ حالات قایم رہینگے یہ رسم بھی قایم رہے گی۔ لیکن تعلیمیافتہ طبقہ میں یہ رسم تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔ ہر ملک کے بچوں کی ابتدائی تعلیم گھروں میں اپنی والدہ کے زیر اثر ہوتی ہے اور مصر بھی اپنے ملک کے آیندہ باربردار بچوں کی ان ذمہ داریوں سے جو کہ اس پر عائد ہوتی ہیں غافل نہیں ہے

بلا تار کے برقی خبریں

(ماخوذ از لندن ٹائمز)

جس طرح پر ایک پتھر کا تالاب میں پھینکنا پانی میں لہریں پیدا کرتا ہے یا ایک گولہ کا پھٹنا ہوا میں ارتعاش پیدا کرتا ہے اسی طرح پر برقی امواج ایتھر (aether) میں پیدا کیجا سکتی ہیں جس مقام سے بلا تار کے برقی خبریں روانہ کرنی منظور ہوتی ہیں وہاں پر بلند کھمبے نصب کئے جاتے ہیں

اور بہت سے تار ان پر لگائے جاتے ہیں اور ان تاروں میں ایک طاقتور برقی رو پیدا کیجاتی ہے جو بہت تیز رفتار سے ان میں گردش کرتی ہے اور ان کے ذریعہ سے ہوا میں جنبش پیدا ہوکر برقی لہریں ۱۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان سے لندن تک ایک طرفۃ العین میں خبر پہنچ جاتی ہے مگر اس قدر تیز رفتار اور دور دراز سفر کرنے والی لہروں کے پیدا کرنے کے لئے نہایت طاقتور ارتعاش رو قایم کرنے کی ضرورت ہے۔

تین بڑی ایجادوں کی وجہ سے گذشتہ پانچ سال میں ایسی برقی لہروں کا پیدا کرنا دایرہ امکان میں ہوگیا ہے۔ اولاً ایک تیز الٹرنیٹر (Alternator) یا دوسرے الفاظ میں بیس ہزار سے ایک لاکھ مرتبہ ارتعاش حرکت پیدا کرنیوالی بجلی کا انجن (Dynamo) یہ انجن آجکل علی العموم بڑے بڑے شہروں میں روشنی و آٹا وغیرہ کی چکیاں چلانے کے لئے برقی طاقت پیدا کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عموماً ایسے انجن ۵۰ سے ۲۰۰ مرتبہ فی ثانیہ گردش کرتے ہیں پس صرف اسکی رفتار ہی کو بڑھا دینے سے ہم برقی رو بلا تار کے پیغام رسانی کے لئے پیدا کر سکتے ہیں۔

ثانیاً جرمنی میں ایک نئی طرز کا آلہ ایسی رو پیدا کرنے کیلئے بنایا گیا ہے جس کا نام ڈوڈل پولسن (Duddel Poulsen) ہے اس میں ایک ارک جنریٹر (Arc Generator) کے ذریعہ سے برقی طاقت پیدا ہوتی ہے اور انگلستان میں ایسی رو برقی ارک (Electric Arc) سے پیدا کرتے ہیں اس میں کوئلہ کا گیس مٹی کا تیل اور الکحل جمع رہتی ہے

تیسرا اور سب سے زیادہ مشہور ایک قسم کی بیٹری یا برقی موجد ہے جس کو تھرمیانک والوز (Thermionic Valves) کہتے ہیں۔

اس کا نمونہ بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک مسلسل قطار میں ایک فٹ فٹ کے فاصلے سے جلنے والے برقی لیمپ جمع ہوں۔ پس ان تینوں تراکیب میں سے کسی ایک ذریعہ سے پیغام بھیجنے والے اسٹیشن میں ایتھری طاقتور برقی لہریں پیدا کرتے ہیں۔

جب برقی لہریں ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن پر ایتھر میں گذر کر پہنچتی ہیں تو وہ ان بلند کھمبوں میں جو ستون کئے ہوئے ہیں۔ گذر کر ایک الہ میں جس کو ریسیور (Receiver) کہتے ہیں وہی جنبش پیدا کرتی ہیں جو ان کو شروع میں دی گئی تھی۔ اس جنبش سے آواز پیدا ہوتی اور ان مختلف آوازوں کے لئے مقررہ حروف و الفاظ ہیں۔ یہ مقررہ الفاظ بالکل ویسے ہی ہیں جیسا کہ اپنے تار بابو کو پیغام دیتے وقت خاص الفاظ کے لئے گٹ گرگٹ کرتے دیکھا ہوگا۔

اس طرح ہم برقی لہریں پیدا کرکے چند ہی لمحوں میں بلا تار کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پیغام روانہ کرسکتے ہیں۔

مایۂ شباب جریان ایسا برا مرض ہے کہ یہ جسم کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا لیتا ہے اگر اس کا باقاعدہ علاج نہ کیا جائے تو جلد ہی خراب نتیجہ تک پہنچا تا ہے یہ گولیاں جریان۔ رقت۔ سرعت اور کثرت احتلام ان سب شکایتوں کو دور کرنے میں بمنزلہ اکسیر ہیں قیمت ۱۶ خوراک تین روپیہ۔ ملنے کا پتہ انڈین میڈیسنز ایجنسی بارہ دری

معشوقۂ عرب

(گذشتہ سے پیوستہ)

نگاہِ شوق اُلجھی ہے نگاہِ ناز جاناں سے
الٰہی خیر ہو دونوں کی چوٹیں ہیں برابر کی

اب اس سوچ میں پڑ گیا کہ یا اللہ میں خوابیدہ ہوں یا بیدار۔ لیکن مغارات کے گرنے کا واقعہ اُس کے دماغ میں از سرِ نو بجلی کیطرح دوڑ گیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچگیا کہ وہ بیداری کی حالت میں ہے اور سویا ہوا نہیں ہے اُس نے پھر اپنی آنکھیں کھولدیں اور عذرا کے حسن و جمال کا نظارہ بڑے غور سے کرنے لگا ؎

صبر رخصت ہوا نگاہ کیساتھ ۔ ہوش جاتے رہے اک آہ کیساتھ

عذرا کی سیاہ سیاہ دراز پلکیں بڑی بیدردی کے ساتھ اس نوجوان کے دلکو چھیدنے لگیں۔ اس کی مسکراہٹ اُس کے دل پر بجلیاں گرانے لگی

بجلیاں دیکھنے والوں پہ گراتے آئے ۔ تم جدھر آئے اُدھر آگ لگاتے آئے

پریوش عذرا کی دُرِ دندان کی چمک نے اسکو حیرت زدہ بنا دیا ؎

بجلی دانتوں کی چمک پر بسمل ۔ مستی کو دیکھ گھٹا لوٹ گئی

اس مہ لقا کے گلابی اُبھرے ہوئے خوبصورت رخساروں کو دیکھکر جہان کی حالت میں از خود رفتگی پیدا ہوگئی۔ اسکے سُرخ اور نازک ہونٹ اور خمار غزالی آنکھیں بیدل نوجوان کو متوالا بنائے دیتی ہیں ؎

وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی صورت ۔ وہ ہنسنا ہی کھلا نہیں جانتے ہیں

اسکی صراحی دار گردن۔ نرم و نازک ہاتھ۔ اُبھرا ہوا سینہ ؎

بند محرم کے نہ کسکر باندھو ۔ اور یہ فتنے اُبھر جائینگے

گداز مخمل کا سا ملائم بدن۔ پتلی کمر۔ سرو کی طرح بوٹا سا قد یہ تمام خوبیاں اُس کو بیخود کئے دیتی ہیں۔

وہ ماہ پیکر اس کو جاگتا ہوا دیکھکر خراماں خراماں نزدیک آئی اور اس طرح گویا ہوئی۔

عذرا، شرم سے آنکھیں نیچے کئے ہوئے اور قدرتی جھجک کیساتھ اے معزز مہماں میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ کا مزاج اچھا ہو گا ؎

بانکی چتون پہ ادا لوٹ گئی ٭ اُبھرے جوبن پہ حیا لوٹ گئی

نوجوان۔ الحمد للہ۔ میں سب طرح اچھا ہوں۔ لیکن اے حسین لڑکی تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس وقت کس جگہ ہوں، اور مجھے یہاں پر کون لایا

عذرا۔ مسکراتے ہوئے۔ یہ سوال و جواب تو بہت طول پکڑینگے۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ آپ تھوڑا بہت اسوقت ما حضر تناول فرمایئے تاکہ آپ کی طبیعت کچھ اور سنبھل جائے۔

عذرا نے میوے ایک خوان میں نوجوان کے سامنے چُن دیئے اور یہ کہکر کہ میں کھانا اور لے آؤں وہاں سے چلی گئی۔

نوجوان نے خدا کا شکر کیا اور چونکہ بھوک بہت ستا رہی تھی میوے کھانے لگا اور بڑے شوق سے عذرا کی واپسی کا انتظار کرنے لگا ؎

خال مشکیں بھی ہوا اور زلف سیہ فام بھی ہو ٭ مرغ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی دام بھی

چند لمحے نہ گذرے تھے کہ عذرا، اُس کی چھوٹی بہن دیلی، جو کسی طرح اپنی بڑی بہن سے حسن و جمال میں کم نہ تھی اور اس کی والدہ مع کھانے کے وہیں آموجود ہوئیں۔

نوجوان نے سر جھکا کر نہایت ادب سے اُس کی والدہ کو سلام کیا۔

والدہ عذرا۔ اے نوجوان میں تمہیں دیکھکر بہت خوش ہوئی۔ کل شب کوپل کے ٹوٹنے اور تمہارے یکایک دریا میں گرنے کا حال سنکر مجھے سخت صدمہ ہوا۔ اگر خدانخواستہ شب کے وقت میری لڑکیاں اور اُن کی سہیلیاں وہاں پر موجود نہ ہوتیں تو تم سے نوجوان جان مفت ضایع ہو جاتی۔

نوجوان۔ اے معزز میزبان میں آپ کی اس نوازش کا بہت ممنون اور مشکور ہوں۔ اللہ پاک آپ کو اس کا اجر عظیم دیگا۔

والدہ عذرا اپنی بیٹی کی طرف مخاطب ہوکر (بیٹی عذرا، جب اپنے مہمان کی تواضع سے فراغت پاؤ تو کچھ مچھلیاں پکڑ لانا۔

حسین عورت یہ کہکر یہاں سے چلی گئی۔ عذرا اور لیلی یہیں رہگئیں جب نوجوان ناشتہ کر چکا تو عذرا اُس کی طرف مخاطب ہوئی۔

عذرا۔ اب آپ کچھ آرام کریں تاکہ بدن کی تکان رفع ہو۔ میں ذرا دریا تک جاتی ہوں اور مچھلی کا شکار کرکے واپس آتی ہوں۔ میری چھوٹی بہن رہے گی۔ اس کی باتوں سے آپ کا دل بہلتا رہیگا۔

نوجوان۔ میری طبیعت تمہاری عدم موجودگی میں یہاں بہت گھبرائے گی اگر مضائقہ نہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلا چلوں۔ تم اپنا شغل کرنا اور میں دریا کی سیر کروں گا۔

عذرا۔ اگر آپ کا ایسا ہی ارادہ ہے تو چلئے بسم اللہ۔ مجھے بسرو چشم منظور ہے۔

ہمارا نوجوان۔ عذرا اور لیلی یہ تینوں دریا کی طرف ایک خفیہ دروازے سے نکل کر آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

کمسن ماہی گیر۔ عذرا کے کندھوں پر جال پڑا ہوا ہے اور کسی ؤحسن میں یہ فتنۂ محشر خاموش چلی جا رہی ہے ؎

بہار دیتا ہے حسن زیبا کسی کا ؎ اٹھا تو دیتا ہے جوبن آیا کسی کا

اب دریا بالکل قریب آگیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا دریائی لہروں سے بغلگیر ہو کر۔ خوش خوش مستانہ خرامی سے چل رہی ہے۔ جوانی کے دن پھر ایسا سماں۔ مہ جبین عذرا جسکو پہلی نظر دیکھکر نووارد دالہ و شیدا ہو گیا تھا۔ اب بغل میں موجود ہے پھر بیچارے نوجوان کا دل تڑپ نہ اٹھے تو کیا کرے ؎

دل بہلا لیسے کوئی درد نہ دیجئے کیونکر ؎ ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

وہ اسوقت بالکل بیخودی کی حالت میں ہو گیا۔ اس کے حواس خمسہ تقریباً صاف جواب دے چکے تھے۔ یہ کہتا کچھ تھا اور منہ سے نکلتا کچھ اور تھا اس قوی ہیکل اور شکیل جوان کو عذرا کے انداز نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا ؎

تری خوں آشامیاں مشہور ہیں اے تیغ ناز ؎ ایک قطرہ چھوڑتے تو ہم سمجھا کرے ہی

اُسوقت کی تلوار کی مار بہت بہت دور دور تک مشہور رہتی۔ لیکن عذرا کی ترچھی نظروں نے سب خاک میں ملا دیا ؎

کیوں نہ چن چن کے ترے تیر جگر میں ٹکڑوں ؎ کس مزے سے یہ اڑاتے ہیں نشانہ دل کا

آخرکار یہ تینوں دریا کے کنارے جاکے بیٹھ گئے۔

عذرا۔ میری پیاری بہن۔ تم جاکر مچھلی پکڑو میں اتنے یہیں انکے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کرتی ہوں۔ جب تم تھک جاؤ تو مجھے بلا لینا۔ لیلی تو جال لیکر مچھلی پکڑنے میں مشغول ہو گئی اور ان دونوں میں اس طرح گفتگو شروع ہوئی۔

(باقی آئندہ)

غزل جناب مولانا مولوی حمید الدین صاحب سلیم پانی پتی

لرزہ میں سب ہیں سُنکر اے عشق نام تیرا
بیتابیاں دلوں میں بھرتا ہے کام تیرا

وہ بحرِ حسن دل میں گر تیرے موج زن ہو
فوارۂ تجلی ہو ہر مسام تیرا

شمشاد سرو پر بھی تو چھڑکیگا پانی
گزرا اگر چمن سے سیلِ خرام تیرا

یاقوت کو جگر کے کیونکر نہ میں تراشوں
کندہ کرونگا اس پہ اے دوست نام تیرا

ہاں چل ہی اے خزاں کیوں پھولونکی انجمن میں
شاید ہوا سُنا کر نکلی پیام تیرا

شیشے کی تیرے قلقل طوفان کی صدا ہے
گرداب کا ہے چکر اے عیش جام تیرا

مرغ نظر کسی کا اب پھنس کے جائے کیونکر
تاروں نے ہے بچھایا اے حسن دام تیرا

مجھ مشتِ خس سے بڑھکر دنیا میں کون ہوگا
جویاں بھی قدرداں بھی اے شعلہ نام تیرا

تل دھرنے کی جگہ بھی ہوگی نہ اس فضا میں
آنکھوں میں جب ہماری ہوگا مقام تیرا

سیپارۂ جگر کا روشن ورق ورق ہے
ذکر اُس پہ جب لکھا ہے اے شعلہ فام تیرا

عشقِ وطن کی منزل طے کر ذرا سنبھل کر
خنجر کی دھار پر ہے اے دل مقام تیرا

افسانہ تیرے دل کا ہے اے سلیم رنگیں
ڈوبا ہوا ہے خون میں گویا کلام تیرا

غزل شمس العلماء حضرت رنجور عظیم آبادی

جی میں ہے لوں انتقام اس چرخ کج رفتار سے
خاک سے کردوں جلا کر آہ آتش بار سے

کیا غرض اے شیخ مجھ کو جبہ و دستار سے
بندہ ہوں اُس بت کا مجھکو کام ہے زنار سے

دل ہمارا شاد کیا ہو وعدۂ دیدار سے
آتی ہے انکار کی بو آپ کے اقرار سے

ڈر یہ ہے اے طفلِ دل مجھکو ترے اطوار سے
میں نکالا جاؤنگا اک روز اُس دربار سے

کیوں نہ دل بہلاؤں سیرِ وادی و کہسار سے
سخت الجھن ہوتی ہے شکلِ در و دیوار سے

چاہ جسکی مرے دل میں ہے وہ یوسف اور ہے — مجھکو کیا کام اے عزیز و مصر کے بازار سے
گر عیادت کرنے آئے ہو تو چپ بیٹھے ہو کیوں — کچھ تو باتیں تم تسلی کی کرو بیمار سے
یہ دلاسا ہے دلاسا ہی ترا اے غمگسار — کب کوئی جانبر ہوا ہی عشق کے آزار سے
جب کہا میں نے عدو کو ساتھ کیوں رکھتے ہیں آپ — بولے ہنسکر انس سا ہوتا ہی گل کو خار سے
وہ بھی کیا محو تماشائے رخ زیبا ہوئے — واپس آئی کیوں صبا ابتک نہ کوئی یار سے
ہے کسی رشک قمر کی ہمکو ہم خوابی نصیب — عقدہ کھلتا ہی ہمارے طالع بیدار سے

نرگسی آنکھوں سے کیونکر دیکھیں وہ رنجور کو
کیا عیادت ہو سکے بیمار کی بیمار سے

غزل امیر الکلام حضرت غریب سہارنپوری

عاشقوں کو کام کیا ہے جبہ و دستار سے — ان کا مشرب دوسرا ہے کفر و دیندار سے
کام اپنا ہو گیا جب رشک کی تلوار سے — انجمن قاتل کی خالی ہو گئی اغیار سے
خون کرتا ہے ستمگر شوخئ گفتار سے — کم نہیں اسکی زباں چلتی ہوئی تلوار سے
قتل کرتا قاتل نگہ سے ابروئے خمدار سے — خون کیا کرتا ہے میرا تیر سے تلوار سے
جام پر جھک پڑتی ہی ابر و ہوا کو دیکھکر — میری توبہ بھی نہیں کم نیت مےخوار سے
شیر خوار عشق ہوں گریہ ہی میرا عرض حال — آشنا ابتک نہیں لب لذت گفتار سے
مسجد شیخ حرم ہے آستان میکدہ — کیا صدا کانوں میں آئے خانۂ خمار سے
کامیابی کا مجوی اور دعوی عشق کا — حضرت دل کیا نہیں واقف ہو خوی یار سے
جب مزا آئے کہ خاک دشت ہو کان نمک — آبلے صحرا میں سب ٹوٹینگے نوک خار سے
کیا تماشا ہی مرے جاتے ہیں ہمتو دیکھکر — آرہی ہے جان مردہ میں تری رفتار سے

بزم سے جلنے بھی دو ٹلنے بھی دو اغیار کو
بھید کیا ہے انکو پھیراتے ہو کیوں اصرار سے

ہم نے کچھ تعریف لکھی تھی رُخ دلدار کی
دفتر اشعار رنگین بڑھ گیا گلزار سے

شمع محفل ہو تمہیں اہل سخن میں اے غریب
گرمی ہنگامہ ہے اس بزم کی سرکار سے

غزل جناب حکیم قمیش احمد صاحب کیف قدوسی گنگوہی

شوق دل کہتا ہے عزم کوئے جاناں کیجیے
کیا ضرورت ہے کہ سیر باغ رضواں کیجیے

یاد ابرو کیجیے یا روئے جاناں دیکھیے
یوں نہ محراب کعبہ حفظ قرآں کیجیے

کیف اپنے سر کو نذر تیغ جاناں کیجیے
عشق کے میدان میں کچھ کار نمایاں کیجیے

رہتے رہتے میان میں دم اسکا اب گھٹنے لگا
کہتی ہے شمشیر قاتل مجھکو عریاں کیجیے

حضرت دل دیکھیے جان ابروئے خمدار پر
اب نرالی شان سے یوں عید قرباں کیجیے

حال کچھ بھی ہو مگر ہے پاس خودداری بھی
ضبط اپنے جوش کا تا بہ امکان کیجیے

جوش وحشت کہہ رہا ہے ضبط وحشت تا بہ کے
گھر بنے صحرا میں یا گھر کو بیابان کیجیے

بنکے مجنون لیلی کافزا کے عشق میں
دل کہا ہے یہ مشورہ اصلاح ایمان کیجیے

قتل ہی کیوں نظر پڑتی ہے مجھ پہ بار بار
آپ کا ہر بار نذرا جو کچھ ہو ہاں ہاں کیجیے

کر گئی الفت نے شاید کچھ کیا ان پر اثر
کہتے ہیں موقوف اپنی آہ سوزاں کیجیے

کیف ہے آب بقا جب خنجر قاتل کی آب
کیوں جہاں میں جستجوئے آب حیواں کیجیے

غزل جناب محمد عباس خان صاحب سفیر تلمیذ حضرت فخر الشعراء مولانا دبیر صاحب

تازہ ترغم دل مضطر میں چلے آتے ہیں
ہیں یہی اپنے مقدر میں چلے آتے ہیں

دشت وحشت سے جو اٹھتے ہیں بگولے اے قیس
بنکے چکر وہ مرے سر میں چلے آتے ہیں

ترے وحشی کبھی جاتے ہیں بیاباں کیطرف
کبھی وحشت کے لئے گھر میں چلے آتے ہیں

نعت لکھنے کو اٹھاتا ہوں قلم تو مضمون
بے بہا وصف پیمبر میں چلے آتے ہیں

مجکو ہوجاتا ہے اس گھر پہ گمان جنت
وہ گھڑی بھر کو بھی جس گھر میں چلے آتے ہیں

جب وہ کہتے ہیں حسین ہمسا نہیں کوئی تو تم
آئینہ رکھکے برابر میں چلے آتے ہیں

حسرتو کسی طرح گھر اپنا سمجھکر آرام
سیدھے سرے دل مضطر میں چلے آتے ہیں

لا کے پیچ میں کیا پھر کسی بیتاب کا دل
بل پہ بل زلف معنبر میں چلے آتے ہیں

نہیں آتے تو وہ برسوں نہیں آتے ہیں سفیر
اور جب آتے ہیں دم بھر میں چلے آتے ہیں

غزل جناب منشی محمد اسمٰعیل صاحب خلیل دہرہ دون

کیا سناؤں تجکو اے جان داستان آرزو
میری خاموشی تو خود ہے ترجمان آرزو

آج سننے کو مرا طرز بیان آرزو
آرزوئے زندگی کرتے ہیں طالبانِ آرزو

صبح عشرت ہوگی کب گل کب کھلینگے عیش کے
اے زمین آرزو اے آسمان آرزو

درد اس میں رنج اسمیں صدمہ و اندوہ غم
دل ہے سینہ میں کہ ہے یارب جہان آرزو

یاد ابرو یاد گیسو یاد مژگان یاد چشم
میں چلا دنیا سے لیکر کاروان آرزو

بیحواسی کا برا ہو ضعف کا خانہ خراب
رہ گئی آکر زبان پر داستان آرزو

حسرتیں دل میں بہت ہیں وصل کی شب مختصر
جان من اب کل پہ رکھوں داستان آرزو

میں گدائے بے نوا ہوں بادشاہ حسن وہ
مجکو دیکھو اور دیکھو میری شان آرزو

نا اُمیدی نامرادی اپنے پلّہ میں پڑی
چار سوئے عشق میں کھلکر دوکانِ آرزو

دیدۂ کل اُس فتنہ گر نے دلکو فرقت کی سزا
بے ثبوت جرم بس سُنکر بیانِ آرزو

بوسہ اُن شیریں لبوں کا جو میسر ہو خلیلؔ
شہد و شکر سے بھردوں پھر میں دہانِ آرزو

غزل - جناب مرزا مظفر بیگ صاحب شوقؔ دہرہ

ہم کو اُلفت ہی رہی زلفِ گرہ گیر کیساتھ
طوق پنہا کئے طفلی میں بھی زنجیر کیساتھ

دشتِ وحشت میں بھی کچھ غم نہیں تنہائی کا
نامہ ہمسلک رہیگا میری زنجیر کے ساتھ

شعلہ رویوں نے میرے دلکو جلایا اُلٹا
لوگ تشبیہہ مجھے دیتے ہیں گُلگیر کیساتھ

جبکہ خاکہ لیا مانی نے سراپا تیرا
بن گیا اور بھی تصویر وہ تصویر کیساتھ

غمزہ و ناز و ادا شرم و حیا جور و جفا
کھنچ گئیں سات ادائیں تری تصویر کیساتھ

خالِ مشکین ہے تو ہونے دے قرینِ ابرو
تم سپاہی ہو سپر چاہئے شمشیر کیساتھ

دشتِ غربت میں کوئی کب ہے کسی کا ہمدم
خامہ و دست جدا رہتے ہیں تحریر کیساتھ

نہ سہی آپ کا پیکاں میری حسرت ہی سہی
کچھ تو ہے دل سے جو نکلا ہی ابھی تیر کیساتھ

بے خطا گیسوئے جاناں جو پھرے ہیں مجھسے
ہے مگر سازشِ طالع میری تقدیر کیساتھ

چلّہ ابرو کی کماں کا نہ اُتر جائے کہیں
دونوں گوشے نہ ملا دے کششِ تیر کیساتھ

ان کی محفل میں ہوئی کس کی رسائی اے شوقؔ
وہ ہمیں ہیں کہ بٹھائے گئے توقیر کے ساتھ

اعلیٰ حضرت فلک رفعت ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامراء لفٹنٹ کرنل ہز ہائینس نواب سر سید حامد علیخانصاحب بہادر والئی ریاست رامپور

دام اقبالہم وملکہم

حسینوں میں تھے انتخاب اول اول / غضب تھا تمہارا شباب اول اول
اب آنے لگا خون دل آنسوؤں میں / بھی خوب چشم پُرآب اول اول
گئی جان فرقت کے صدموں سے آخر / ہوا خانۂ دل خراب اول اول
وہ بچپن وہ بے باکیاں اب کہاں ہیں / نہ تھا اُن کو ہم سے حجاب اول اول
وہ ترچھی نظر اور بانکی وہ چتون / ادا تھی ہر اک لاجواب اول اول
محبت نے برسوں رلایا ہے ہمکو / جلایا ہے مثل کباب اول اول
کسی بُت پر آئیگا جب دل کسی کا / تو سہنا پڑے گا عذاب اول اول
بتاؤ تو کیوں ہوگئی ہم سے نفرت / ہمارا تھا عاشق خطاب اول اول
محبت وہ کرنے لگے آخر آخر / جنہیں تھا بہت اجتناب اول اول
نہایت ہی نازک ہے شیشۂ دل / نہ توڑا اس کو مثل حباب اول اول
ابھی ابتدا ہے مگر رشک تم نے / کہی ہے غزل لاجواب اول اول

اہل عرب کی ریاضی

(علیگ)
ازجناب اے ایم ضیاء الحسن صاحب بی اے - ایم ایس سی

(گذشتہ سے پیوستہ)

متقدمین نے علم الافلاک کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا - ایک ستاروں کا علم تھا جس کے ذریعہ سے ان کے مقامات - حرکات نسوخ و کسوف وغیرہ معلوم ہوتے تھے اس کا نام علم نجوم تھا اور دوسرا علم تنجیم تھا - جس سے زمانہ کے حوادث مثلاً جنگ و صلح بارش و یا قحط وغیرہ ستاروں کی گردش کو دیکھکر معلوم کرتے تھے - اہل عرب ان دونوں علوم میں مہارت رکھتے تھے - دولت عباسیہ میں علم تنجیم کی بہت قدر دانی ہوئی - منجموں کو ملازم رکھا گیا اور وہ باقاعدہ سلطنت سے تنخواہ پاتے تھے - اگر کوئی مہم یا امر عظیم درپیش ہوتا تھا تو خلفاء ان سے مشورہ کرتے تھے کہ انجام بخیر ہوگا یا نہیں یہ رسم یہاں تک رائج ہوئی کہ امراض کا علاج بھی کواکب کی گردش دیکھکر کیا جاتا تھا - اور بعض امراء اسکے اسقدر قائل تھے کہ وہ کھانا بھی منجم سے پوچھ کر کھاتے تھے - یہ اعتقاد چونکہ شریعت کی رو سے باطل تھا اسلئے علماء شریعت اسکی تردید و مدافعت کی کوشش کرتے تھے -

اہل اسلام نے ہندوستان - یونان - کلدان اور عرب کے علم نجوم کو جمع کیا اور اسکے احکام و اصول کو سمجھکر اس میں کمال حاصل کیا - مسلمانوں میں پہلا شخص جو منجم ہوا وہ ابوجعفر تھا -

دور عباسی میں علم نجوم کو خاص طور سے عروج ہوا - منصور پہلا خلیفہ تھا جسکو پرانی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا شوق ہوا - ابراہیم فزاری اور علی بن عیسٰی

اصطرلابی مشہور منجم تھے اور اُن دونوں کو منصور نے ملازم رکھا۔ منصور کو چونکہ نجوم سے بہت دلچسپی تھی دوسرے ممالک کے نجومی بھی اُسکے پاس پہنچے ایک ہندوستان کا شخص جو سدہانا کا حساب جانتا تھا ۱۵۶ھ میں وہاں گیا اور نجوم کی ایک کتاب پیش کی جس کا منصور نے عربی میں ترجمہ کرایا۔

ابراہیم فرازی نے اس کتاب سے حرکات کواکب پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام سند ہند رکھا گیا۔

خلیفہ المامون کے زمانہ میں ابن موسیٰ بہت مشہور منجم ہوا ہے اُس نے ہندوستان اور روم وغیرہ کے علم نجوم کو جمع کیا اور سند ہند کی تعدیل اور میل میں مخالفت کی۔ تعدیل کا اصول اس نے فارس کے طریقہ پر رکھا اور میل شمس کے مسئلہ میں بطلیموس کی پیروی کی۔ بعد ازاں اس کتاب کو عربی میں نقل کیا گیا۔ حنین۔ ثابت ابن قرہ۔ سہیل۔ محمد ابن عیسیٰ مشہور منجم ہوئے ہیں۔ محمد ابن جابر نے رصد کی ابتدا کی تھی۔

بعد ازاں البیرونی اور محقق طوسی بلائے جو علم الافلاک میں ماہر اور کامل تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کو نجوم میں اس قدر دلچسپی ہو گئی تھی کہ اُنھوں نے جابجا رصد گاہیں قایم کیں۔ اور کواکب کی گردش و مقامات دیکھنے کے لئے دور دراز شہروں میں جاتے تھے۔

مجسطی حکیم بطلیموس کی نجوم پر مستند کتاب تھی۔ خلیفہ مامون کے زمانہ میں جب عربی میں اس کا ترجمہ ہوا اور مسلمان آلات رصد سے واقف ہوئے تو اُن کو بھی اسی قسم کے آلات بنانے کا شوق ہوا اور متعدد رصد گاہیں بغداد دمشق وغیرہ میں بنائی گئیں۔

اگرچہ مسلمان علم نجوم کو کمال شغف کیساتھ مطالعہ کرتے تھے اور اس میں

روز افزوں ترقی تھی لیکن تاہم ایک جماعت اس کو باطل ثابت کرنے میں کوشاں تھی اور پہلے اُنھوں نے یہ ظاہر کیا کہ یہ علم محض وہم و قیاس پر مبنی ہے اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سے مسلمانوں نے کیمیائے قدیم کو بھی باطل اور لغو ثابت کیا تھا۔

جناب مولانا حسرت موہانی صاحب

غم و فکر شوق و تمنا سے فارغ
نہ تم ہو میرے جذب اُلفت سے فارغ
انھیں جلوہ گر دل میں ہر لحظہ پاکر
وہ مطلق ہیں خود انکی نسبت ہی سے گر

ہیں عاشق ترے ساری دُنیا سے فارغ
نہ یوسف تھے عشق زلیخا سے فارغ
تمنا ہے فکر تماشا سے فارغ
نہ اعلیٰ سے فارغ نہ ادنیٰ سے فارغ

پناہ محبت میں ہم آکے حسرت
ہوئے خوف احکام بیجا سے فارغ

معاصرین سے ضروری التماس

جن اخبارات و رسائل کے نام شمع تجلی ریویو یا تبادلہ کی غرض سے بھیجا گیا ہے ان کے ارباب تنظیم سے ہماری نہایت مودبانہ گذارش ہے کہ وہ شمع تجلی کا ریویو کرکے ہمیں ممنون و ممتاز فرمائیں اور تبادلہ میں اپنے صحائف بھیجکر مرہون منت ہونیکا موقع دیں۔

(ایڈیٹر)

بدگمانی

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ تمام اسباب جو بدگمانی کے لکھے گئے ہیں سرسری نظر میں سب ایک دوسرے سے جُدا معلوم ہوتے ہیں مگر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک عام سبب سے پیدا ہوئے ہیں جس کو بدگمانی کا اصل اصول سمجھنا چاہیئے۔ جس بدبخت قوم کا اخلاقی قوام بگڑ جاتا ہے اور اُس کی تمام فرقوں میں ناراستی اور بددیانتی شایع ہو جاتی ہے تو اُس قوم کے خاص و عام کو مجبوراً نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ ساری دُنیا سے بدگمان ہونا پڑتا ہے جب وہ متواتر دوستوں سے بیوفائی اور بھائی بندوں سے دغا اور بے مہری دیکھتے ہیں اور خود بھی اُس کے ساتھ ایسے ہی برتاؤ برتتے ہیں تو اُن کو تمام جہان میں کوئی دوست صادق نظر نہیں آتا۔ جب وہ علماء کی بے دیانتی اور شایخوں کا مکر و فریب اور زاہدوں کی ریاکاری اور عابدوں کی جو فروشی و گندم نمائی دیکھتے ہیں تو اُن کو ساری دُنیا مکر و زور سے بھری معلوم ہوتی ہے اور فرشتہ پر بھی اُن کو نیک گمان مشکل سے ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف غیروں سے بلکہ خود اپنی سے بدگمان ہو جاتے ہیں جس طرح وہ سب کو جھوٹا۔ مکار۔ عیار۔ دغاباز سمجھتے ہیں اسی طرح وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ لوگ ہم کو بھی جھوٹا۔ مکار خودغرض سمجھتے ہیں اور اسی لئے وہ کوئی وعدہ بغیر تاکید شدید کے زبان سے نہیں نکالتے اور کوئی روایت بغیر قسم کے بیان نہیں کرتے اور کوئی بات بغیر سند اور شہادت کے نہیں لکھتے خواہ مخاطب کی طرف سے درخواست ہو یا نہ ہو۔ گویا وہ یہ جتلاتے ہیں کہ ہماری کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ اُن کو جا بجا خوشامد کرنی پڑتی ہے

کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہماری خیرخواہی اور دوستی پر بغیر ایسی باتوں کے یقین نہیں آ سکتا ہے آپ نے اکثر نمود اور شیخی کرنے والوں کو دیکھا ہوگا کہ ایک آدھا جھوٹا سچا گواہ اُن کے ساتھ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ جب وہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو بات بات پر اُس گواہ کا حوالہ دیتے جاتے ہیں کہ یہ بھی وہاں موجود تھے ان سے پوچھیئے۔ گویا وہ اپنے کو ایسا جھوٹا سمجھتے ہیں کہ اُن کی کوئی بات بغیر شہادت کے قابل تسلیم نہیں۔ تم نے بعض مصنفوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ حد سے زیادہ بدیہی اور مسلم الثبوت دعووں پر بھی جب کسی کا قول سنداً نقل کرتے ہیں تو اُس مصنف کا نام۔ اُس کی کتاب کا نام۔ باب و فصل کا پتہ صفحہ اور سطر کا شمار۔ چھپنے کا سن چھپنے کا مقام۔ چھاپہ خانہ کا نام۔ اور سوائے اس کے اور پتے مفصل لکھتے ہیں۔ حالانکہ کہ اُن دعووں کے تسلیم کرنے میں جن کے تائید میں وہ یہ مفصل سندیں لکھتے ہیں کسی کو بھی کلام نہیں ہوتا مگر اُن کو اپنی بے اعتباری کا ایسا پختہ یقین ہوتا ہے کہ اگر اُن کی کتاب ضروری مقدار سے دس گنی زیادہ ہو جائے تو بھی وہ اس تفصیل سے باز نہیں آ سکتے اور ایسی ہی بے شمار مثالیں اس بات کی ہیں کہ جب کسی قوم کے عام اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو اُس قوم کے لوگ نہ صرف اوروں سے بلکہ اپنے نفس سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔

ہم اپنے ملک میں بدگمانی کا حال ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ گاہک سچے دکاندار کو بھی سچا نہیں جانتے کیونکہ اُنہوں نے بڑے بڑے بدیک سخنوں سے دھوکے کھائے ہیں۔ دُنیادار آپس میں ایک دوسرے کو خائن اور بے دیانت سمجھتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے بڑے بڑے دینداروں کو ایسا ہی پایا ہے۔ اگر کوئی دیانتدار کمیٹی قوم کی بہبودی اور اصلاح کے لئے کھڑی ہوتی ہے تو قوم کی طرف سے بجائے

اعانت و امداد کے اُسکی مخالفت اور مزاحمت ہوتی ہے کیونکہ قوم کی سرگروہوں کی متواتر خیانتوں نے کسی کو اعتبار اور اعتماد کے لائق نہیں چھوڑا۔
ایک شخص کی بدگمانی سے جو مضر نتیجے پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر ایک یا چند آدمیوں سے زیادہ کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن جب کسی ملک یا قوم کی تمام طبیعتوں میں بدگمانی کا بیج بو یا جاتا ہے تو اُس سے تمام ملک یا تمام قوم کو مضرت پہنچتی ہے - عام بدگمانی سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فوج اپنے بادشاہ سے منحرف اور رعایا باغی ہوگئی ہے اور اُس کے بُرے نتیجے فوج اور رعایا دونوں کو سالہا سال تک بھگتنے پڑتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارا مُلک آجکل اس بدگمانی کا عام شکار ہو رہا ہے۔ جس کے سبب سے اُس کو طرح طرح کے نقصان اُٹھانے پڑے اور آیندہ اُٹھانے پڑیں گے۔

نتیجہ

انسان کے دو حصہ ہوتے ہیں ایک جسم دوسرا روح - یہ کم بخت بدگمانی دونوں حصوں پر حملہ کرتی ہے اور نتیجہ ہر ایک حملہ کا دائمی ہلاکت ہے - پہلے جسمانی حصہ کو لیجئے پہلے اس کا حملہ دو ہمسائے شخصوں پر ہوتا ہے جن میں انسان رات دن اُٹھتا بیٹھتا ہے اور اپنے کاروبار ضروری کرتا ہے - دوسرا حملہ اس کا قومی سردار پر ہوتا ہے اور تیسرا حملہ اس کا خود بادشاہ وقت پر ہوتا ہے - جہاں خطرہ ہلاکت جسمانی کا ہے اکثر دُنیا میں ہی دیکھا گیا ہے کہ بادشاہ کے مقابلہ میں رعایا ہے (محض وہ ہی رعایا جو بدگمان ہوتی ہے اور جس نے بدگمانی کا بیج بویا ہے) معرض ہلاکت میں پڑی ہے۔

دوسرا پہلو روحانی حالت کا ملاحظہ ہو - پہلے انسان عابدوں کی کم قدم نمائی اور جو فروشی و زاہدوں کی مکر و فریب کی وجہ سے تمام عابدوں اور زاہدوں سے

بدگمان ہو جاتا ہے پھر حملہ اس کا علما پر ہوتا ہے پھر انبیا اور اوتاروں سے بھی بدگمان ہو جاتا ہے آخر بڑھتے بڑھتے انسان اپنے خالق سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ جہاں یہ شت خاک بالکل جل بھنکر نیست و نابود ہو جاتا ہے اور دائمی ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ ابنائے زمانہ خداوند عالم سے بدگمان ہوتے جاتے ہیں اور اُن کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی ہے۔ یقین ہے کہ رحمت خداوندی کو جوش آئے اور اپنا کوئی خاص بندہ واسطے ہدایت ہماری بھیجے جو اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالے۔ جیساکہ زمانہ سابق میں حسب ضرورت وہ کرتا رہا ہے کہ انبیا اور اوتار واسطے درستی نظام اخلاق کے اُس نے بھیجے ہیں۔ ورنہ اس بدگمانی نے تو ہمکو ہلاکت میں ڈال ہی دیا ہے نہ ہمارے کاروبار صحیح طریقے پر چل رہے ہیں نہ عبادات اپنی معیار پر ہے اور لطف یہ کہ ہر شخص اپنے کو صحیح راستہ پر سمجھ رہا ہے۔ اور دوسروں کو اپنے راستہ پر لانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ خدا ہم پر رحم کرے آمین

جن حضرات کی خدمت میں "شمع تجلی" نمونتاً بھیجا گیا ہے وہ مہربانی فرماکر خریداری کی اطلاع دفتر رسالہ "شمع تجلی" دہرہ دون کے پتہ پر فوراً کردیں ورنہ جواب نہ آنے پر الخاموشی نیم رضا سمجھکر آئندہ پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا ان کا اخلاقی فرض ہوگا۔

(مینیجر)

میٹھی نیند

ملکہ ہوں میں رات کی اور آرام پری کہلاتی ہوں
کوئی نہ دے الزام میں اپنے حسن پہ آپ اتراتی ہوں
فطرت ہے مخدومہ میری۔ محنت میری سہیلی ہے
قدر کرے جو کوئی نہ اُن کی خوب اُسے ترساتی ہوں
ہاں۔ جو کوئی اُن سے پیار رکھے بس وہی میرا پیارا ہے
پوچھو۔ اُس سے کیا ہوں کرتی۔ آؤ تمہیں بتلاتی ہوں
ٹھمک ٹھمک کرتی مٹکتی لچکتی ناز دکھاتی آتی ہوں
ایک نگاہِ لطف سے سارا جی کا رنج مٹاتی ہوں
میٹھے میٹھے بول سُنا کر جی کو شگفتہ کرتی ہوں
ریجھ ہی جائے سُننے والا ایسا گانا گاتی ہوں
ناز و ادا یہ دیکھ کے کوئی لوٹ نہ جائے ممکن ہے
رحم بہت ہے مجھ میں ظالم۔ میں بھی لپٹ ہی جاتی ہوں
چومتی ہوں کچھ دیر تو۔ پھر آغوش میں لیکے دباتی ہوں
ساغر لذت دیتی ہوں بھر بھر۔ سُدھ بُدھ ساری بھلاتی ہوں
بے سُدھ کر کے بیخود کر کے رنگ نیا دکھلاتی ہوں
پیارے پیارے ہاتھوں سے اپنے ذہن کا پردہ ہٹاتی ہوں
خادم میرا اک ہے تصور اس کو یہ پھر فرماتی ہوں
سیر کراؤ خوب اسے۔ آغوش میں میں گرماتی ہوں
کون ہے جو ہو سامنے میرے میں کیا کہیں تڑپاتی ہوں
خوبیاں میری دیکھی بھالی۔ کس سے میں آنکھ ملاتی ہوں

چھونا منع ہے

سرکاری اور دوسرے باغوں میں جن میں جانے کی عوام کو اجازت ہو عموماً لکھا ہوتا ہے۔ "پھولوں کو چھونا منع ہے" مجھے ایک باغ کی سیر کا اتفاق ہوا جس کے ہر درخت۔ ہر بوٹے۔ ہر پھل۔ ہر پھول۔ بلکہ ہر پتے پر لکھا ہوا تھا کہ "چھونا منع ہے" مگر یہ ہدایت ایسے حروف میں لکھی ہوئی تھی جنھیں صرف باغ کے مالک کی نگاہِ حقیقت بیں ہی پہچانتی تھی اور معمولی ظاہر بین آنکھ اُن حروف کی شناخت نہیں رکھتی تھی۔ اس لیئے باغ کے مالک اور اُس کے چند رفقا میں جنہیں وہ سیر کرانے ہمراہ لے گیا تھا۔ ایک عجیب اندرونی کشمکش جاری تھی۔ باغ میں ایک طرف پھولوں کا تختہ اس بات پر خنداں تھا۔ کہ وہ یہاں اہل تطاول کے ہاتھ سے محفوظ ہے۔ مگر کہیں کہیں کوئی شرارت پسند غنچہ مسکرا کر اہلِ نظر کو اپنی جانب بلا رہا تھا اور آہستہ سے چٹک کر یہ اشارہ کرتا تھا کہ اب اگر مجھے چن لو تو وقت ہے۔ کل دھوپ کے اثر سے اسی شاخ پر سوکھ کے رہ جاؤں گا اور میری رنگینی بغیر قدر داں کے ہاتھ تک پہنچنے کی بیرنگی سے بدل جائیگی۔ دوسری طرف پکے پکے میوے جن سے شاخیں جھکی پڑتی تھیں۔ آنیوالوں کو فرشی سلام کرکے یہ پیام دیتے تھے کہ کیا ہم اسی لئے ہیں کہ کوئی زردوست دوکاندار ہمیں توڑ کر دمڑی دمڑی دھیلے دھیلے کے واسطے سر بازار لے جائے اور کیا ہماری قسمت میں یہ نہیں کہ کوئی صاحب شناخت شوق کے ہاتھوں سے ہمیں توڑے۔ ذوق کے لبوں سے چکھے اور دلی فرحت حاصل کرے۔ تاکہ ہمیں اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ حاصل ہو

اِن اشاروں کنایوں کو سمجھکر سیر کرنے والوں کے دل میں ہاتھ بڑھانے کا شوق بے اختیار گدگدی کرتا تھا اور اُن کی للچائی ہوئی نگاہیں گل وثمر دونوں کو یقین دلاتی تھیں۔ کہ تمھاری کشش بے سود نہ جائیگی اور تمھاری ایسی قدر کیجائے گی۔ جس کے تم مستحق ہو۔ مگر جب کبھی یہ نگاہیں باغ کے مالک کی نگاہ سے دوچار ہوجاتی تھیں۔ تو جانبین سُن سے رہ جاتے تھے مالک کا دل تھا کہ دہل رہا تھا۔ کہ مبادا یہ ہاتھ پھیلا بیٹھیں اور روکنا بہ تقاضائے اُلفت قدیم دشوار ہوجائے اور اُس کے رفقا اس کی آنکھ سے ممانعت کا حکم پاتے تھے اور اُسکے لبوں کی جُنبش سے یہ خیال کرتے تھے۔ کہ بغیر صاف آواز نکالنے کے یہ کہہ رہے ہیں کہ "چھونا منع ہے" اس کشمکش سے گھبراکر مالک ایک درخت کی طرف بھاگا اور اُس کے ہمراہیوں کو یہ یقین ہوا کہ کچھ آتا ہے۔ میوہ کے ایک پکے سے دانہ پر اُس کا ہاتھ پہنچا اور رفقا کے مونھ میں پانی بھر آیا۔ مگر اُن کے دیکھتے دیکھتے مالک کا رنگِ رُخ بدلا۔ اُسکی فیاضی میں اور "چھونا منع ہے" کے اصول کی پابندی میں اندر ہی اندر لڑائی شروع ہوئی۔ آخر فیاضی مغلوب ہوئی۔ اب وہاں سے ہٹ آئیں تو کس تدبیر سے۔ میوہ کی نبض دیکھنے لگے۔ یعنی دو انگلیاں اس کے ایک حصّہ پر اس طرح رکھیں جیسے کوئی طبیب کسی بیمار کی نبض دیکھتا ہو۔ ذرا میوہ کو دبایا اور بآواز بلند کہا۔ "جتنے تیار دانے تھے کمبخت سب توڑ لے گئے ہیں۔ اب یہ رہ گئے ہیں۔ دو چار دن میں کھانیکے لائق ہونگے" معلوم نہیں "لے گئے" کی ضمیر کن کمبختوں کی طرف راجع تھی۔ گو سُننے والوں کا خیال تھا۔ کہ اس دُشنام سے ہوا کے کانوں ہی کو صدمہ پہنچا دراصل اسکا مخاطب کوئی تھا نہیں۔ کیونکہ جیسا آگے چل کر معلوم ہوگیا۔

"چھونا منع" وہ اصول تھا جس سے اس باغ میں مالک کے علم میں کبھی سرتابی نہیں کی گئی تھی۔ ہمارے سیر کرنے والے دوست چند قدم آگے بڑھے۔ ان میں ایک بہت کم سن بچہ تھا۔ اسے وہاں کی حکمت عملیوں کی کیا خبر تھی۔ اس نے نادانستہ دستِ گستاخ ایک اور پھل کی طرف بڑھایا۔ مالک نے آگے بڑھ کر نہایت ملائمت سے اس کا ہاتھ تو روک لیا۔ اور اپنے دوستوں کو یوں محظوظ کرنا شروع کیا۔ "یہ آم کا بوٹا اپنی قسم کا ایک ہے۔ ایک ہزار کوس سے تو یہ منگوایا گیا ہے۔ جہاں سے منگوایا گیا ہے۔ وہاں بھی ایک ہی بوٹا تھا اور یہ بچہ فرمائش سے مہیا کیا گیا ہے۔ اس کے آم لذت میں لاجواب ہیں۔ اس خیال سے کہ اس سرزمین میں یہ خوب پنپے بہت سی مٹی وہیں کی منگوائی گئی تھی۔ پانی کی بجائے عرق کیوڑہ منوں اس مٹی میں کھپایا گیا ہے اور اس کے بعد دودھ کو اس پیڑ کی غذا مقرر کیا گیا ہے۔ غرض یوں تو آم کو بہشت کا میوہ کہتے ہی ہیں۔ مگر یہ آم وہ ہے کہ بہشت میں بھی شاید کسی ولی کے حصے میں آئے" یہ کہکر چند قدم آگے بڑھے اور ننھے سے رفیق کا ہاتھ پھر بے ساختہ ایک اور درخت کی طرف جھکا۔ ہاتھ کا جھکنا تھا کہ مالک باغ لپک کے پہنچا۔ اور ایک دانہ کو فی الواقع توڑ لایا۔ بچے کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا اور وہ پکار اٹھا۔ "آہا۔ یہ تو میں لونگا" مگر مالک با اصول آدمی تھا۔ اس نے پہلے تو اس بچے کو انتظار کا مزا چکھایا اور دیر تک رومال لیکر اس سے پھل کو پونچھتا رہا۔ تاکہ اس کی آب و تاب بڑھ جائے۔ آخر کار یہاں تک چمکا کہ اس کی ایک طرف کی سرخی رخسارِ یار کی تشبیہ کے قابل نکل آئی اور دوسری طرف کا زردی مائل رنگ کسی عاشقِ بیتاب کے چہرہ کی جھلک دینے لگا۔ بچہ بے صبری کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ میوہ نورس اس کے منہ میں گرے۔ اسکی

آنکھیں اوپر کو اُٹھتی ہوئی تھیں۔ لب اُس کے کھلے تھے اور ہاتھ دونو دبوچنے کو آمادہ تھے کہ اتنے میں انصاف پسند مالک نے اُسے ہاتھ سے دو ٹکڑے کر ڈالا اور پھر اُن دو ٹکڑوں کے دو ٹکڑے کئے۔ تین تو تینوں رفقا کو دیدیئے اور چوتھے کے دو حصے کرکے ایک حصہ اپنے منہہ میں ڈال لیا اور دوسرا حصہ بچے کو دیکر کہا۔ بھائی تم ابھی چھوٹے ہو۔ تمہارا حصہ بھی چھوٹا چاہیئے۔" یہ منصفانہ تقسیم کرتے ہوئے وہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔ کہ خدا جانے کس مجبوری سے میں نے آج مدت العمر میں باغ کے دستور کے خلاف عمل کیا ہے اور دوبارہ یہ نہیں ہو سکتا کہ "چھونا مت" پر عمل نہ ہو۔ اپنے احباب کو کشاں کشاں پھر تختۂ گل کی طرف لے گیا اور ایک ایک پنکھڑی کی داستان سنانے لگا۔ اگر گلاب ہے تو بتایا جا رہا ہے کہ قلمیں کہاں سے منگوائیں۔ پھر انھیں عرق گلاب میں کس طرح سینچا گیا۔ گاڑتے وقت کیا کیا تکلفات اور سامان کئے گئے کیتنے دنوں میں درخت بڑھ گیا اور کب سے پھول لگتے ہیں اتنے میں پھول کی طرف جھکا۔ ناک اُس کے قریب لیجاکر خوشبو لی اور احباب سے فرمائش کی ذرا جھک کے سونگھئے گا کیسی بھینی بھینی مست مست اور کس قدر مُرکب خوشبو ہے۔ ایک دوسری کیاری میں گئے۔ جہاں موتیا کھلا ہوا تھا۔ موتیا کی تعریف کے پُل باندھ دیئے اور تصدیق کے لئے ایک پھول توڑا۔ مگر توڑتے وقت ایک طرف تو اپنے ملازم نگہبانوں پر آنکھ تھی کہ کہیں دیکھ نہ لیں کہ میاں نے خود ہی اصول توڑ دیا اور دوسری طرف یہ شعر وردِ زبان تھا اور لہجہ درد میں پڑھ رہے تھے ؎

اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑینگے
تو گُل کبھی نہ تمنائے رنگ و بُو کرتے

وہ پھول لاکر ایک ایک کو سنگھایا اور ایک ایک سے حکماً داد لی۔ انجام معلوم نہیں ہوسکا۔ کہ آخر وہ کسے عطا ہوا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ رفقا میں سے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ باغ تو بہت سے دیکھے مگر چھونا منع ہے!! اُس وقت تک یاد رہیگا۔ جب باقی سیروں کے نقش صفحہ دل سے مٹ نہیں جائینگے تو دھندلے ضرور ہو چکینگے۔ نام قایم رکھنا چاہیے خواہ کسی طرح ہو۔ سخاوت میں تو حاتم میدان چھوڑ نہیں گیا۔ اس لئے بعض طبیعتیں صحن تنگنائے بخل کو ہی اپنا جولانگاہ بنانے پر قانع ہو رہتی ہیں۔

(جہانیان جہاں گشت)

بہلول دیوانہ

ایک دن دربار میں بہلول کو
اپنے فیض عام سے شہ نے کہا
جس قدر کتے ہیں سارے ملک میں
سب کا ہے تو خسرو فرماں روا
سن کے بہلول گریباں چاک نے
بے تامل یہ جواب اُس کو دیا
ہو شہنشاہ ظل اللہ پر
بارش ابر کرم صبح و مسا
آنکہ از فیض عمیمش خلق را
خلعت امن و اماں گشتہ عطا
ہاں مگر کتوں میں ہی جتنی بدی
تجھ میں پاتا ہوں سبھی اے بیحیا
اور رذائل جس قدر ہیں خوک میں
سب کا جامع ہے یہ دوزخ دل ترا
جو رذیلت ہے جبلی خرس کی
اس میں سب سے پیچھوں کا تو ہے پیشوا

ایک وزیر تتار خوسے یہ کہا
کردیا حاکم ہے خوک اور خرس کا

پس نہ چھوڑوں گا تجھ ناپاک کو — تا کہ بیٹھے ڈٹ کے بین الاذکیا
سن کے برجستہ جواب اس مست کا — غنچۂ طبع شہ عالم کھلا
اہل محفل ہنس پڑے اور وہ وزیر — عرق دریائے ندامت ہو گیا
جو ہنسی غیروں پہ کرتا ہے وہ خود — نادم اور شرمندہ ہوتا ہے سدا
بن کے دیوانہ رہو ہشیار تم — تا دم آخر شریف ہے بنوا

(سید فرزند علیشاہ میرپوری)

خواب پریشان

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

صبح کا سہانا وقت ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔ درختوں کے خوشنما سبز سبز اور لہلہاتے پتے ہوا میں سمٹ سمٹ کر کچھ ایسے سیدھے ہو جاتے ہیں جیسے عشاق کے دل مضطر وصل یار سے محظوظ ہو کر لطف اٹھاتے ہیں۔ سبزہ کا خداداد جوبن آنکھوں میں کھبا جاتا ہے۔ ایک طرف چنبیلی اپنا رنگ جما رہی ہے دوسری طرف بیلا البیلا کھل کھلا رہا ہے۔ ایک کیاری میں سوسن و یاسمن اور دوسری کیاری میں بنفشہ و نسرین و نسترن سے ہوا اٹھکھیلیاں کر رہی ہے سوسن زبان درازیاں کر رہی ہے۔ گلاب کسی گلرخ کے رخسار کی یاد دلا رہا ہے سبحان اللہ عجیب پرفضا گلشن ہے بلبلیں ہیں کہ شاخ گل پہ جھوم جھوم کر دلکش صدائیں دے رہی ہیں۔ قمریاں ہیں کہ سرو شمشاد پر ہزار جان سے

نثار ہو رہی ہیں۔ چڑیوں کے چہچہے۔ بلبلوں کے نغمے پپیہہ کی کوک چوٹ کھائے ہوئے دلوں میں ہوک پیدا کر رہی ہے۔ گل رعنا اسوقت آب شبنم سے غسل کر کے لباس حسن سے آراستہ و پیراستہ ہو رہے ہیں۔ باد صبا بھی اٹھلاتی ہوئی گل ہائے رنگا رنگ سے اٹھکھیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ برگ ہائے گل۔ ہوا کی دست درازیوں سے بچانے کے لئے گلوں کو لپیٹے جاتے ہیں یا یوں کہیئے کہ جوش مسرت میں لپٹ لپٹ کر بلائیں لے رہے ہیں۔ یا صاف لفظوں میں سمجھ لیجیے کہ گلچیں اُن کے بچانے کے لئے عروسان گل کو حجاب پہنے جاتے ہیں۔ گلہائے رنگ برنگ ہوا کی چھیڑ چھاڑ سے بچنے کے لئے آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ گل نرگس کسی نرگسی چشم کا راستہ تک رہی ہے۔ عشق پیچان کسی کی زلف پیچان کی طرح بل کھا رہا ہے۔ نسیم صبح مستانہ وار آگے بڑھ رہی ہے۔

میں حیرت میں تھا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کس شہنشاہ حسن کی آمد آمد کی دھوم ہے جو اس قدر ہڑبوم ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جانب سے ایک نازنین مہ جبین صدر نشین بزم خوبرویاں آہستہ آہستہ اٹھلاتی ہوئی اپنی گلفام نازک اندام ہمجولیوں کے ہمراہ دل عشاق کو خرام ناز سے پائمال کرتی چلی آتی ہے۔ دیکھتے ہی دل ہاتھوں سے جاتا رہا ؎

کون آتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے
ہر صدائے پا میں جسکے سو طرح کا ناز ہے

قریب تھا کہ اُس کے نظارۂ حسن سے غش آ جائے مگر بمشکل دل کو تھام کر ایک گوشہ چمن میں اُس کے حسن دل آویز کی بہار دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا آہ

صبر رخصت ہوا اک آہ کیساتھ ٭ ہوش جاتا رہا نگاہ کیساتھ

اللہ اللہ کیا حُسن دل پذیر تھا کہ جس کی ضو سے تمام گُل عرق انفعال میں شرابور ہو گئے شاخہائے گل شرمندگی سے اُس گُلرو کے آگے سرنگوں ہو گئیں اُس کی ہر ادا دلِ عشاق پر تیر و نشتر کا کام کرتی تھی۔ آہ وہ اس کا حُسن دلفریب وہ اسکی شوخی و شرارت وہ اس کا ناز و انداز اور چلبلاہٹ جب یاد آجاتی ہے دل قابو سے نکل جاتا ہے طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر تک دلکو مسوس مسوس کر کھڑا رہا آخرکار ضبط نے جواب دیا۔ صبر نے رخصت چاہی بے اختیار دل کو سنبھالے ہوئے آگے بڑھا۔

شوق کہتا ہے کہ کچھ عرض تمنا کیجئے
دل یہ کہتا ہے کہ پڑتی نہیں ہمت میری

بالآخر شوق نے مدد کی اور قریب پہنچکر ڈرتے ڈرتے عرض کی کہ

ہمیں کچھ تم سے کہنا ہے مگر کہنے سے ڈرتے ہیں
اگر ہو حکم تو کہہ دیں کہ صاحب تم پہ مرتے ہیں

اس فقرہ نے ایک قیامت برپا کر دی۔ چین بجبیں ہو کر جواب دیا کہ بس صاحب زبان سنبھالئے۔ حلوا خوردن را روئے باید۔ ع

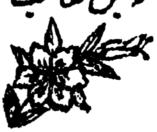

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

مجھ سے آپ سے واسطہ۔ مطلب۔ تعلق۔ علاقہ۔ یہ کہکر بجلی کی طرح نظروں سے غائب ہو گئے اور دل پر برق خرمن کا کام کر گئے۔ میں تصویر حیرت بنا کھڑا رہا آہ وہ سفاک۔ ظالم۔ قاتل۔ اپنی تیغ نظر سے گھائل کرکے چلتا بنا۔ کچھ ہوش آیا تو زبان پر یہ مضمون تھا۔

سخت پتھر سے بھی زیادہ ہے ترا دل قاتل ٭ ہوئی آسان نہ جانباز کی مشکل قاتل
اُف رے بیدرد ستم پیشہ و جاہل قاتل ٭ نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دہن زخم پکارا کیا قاتل قاتل

میں دیوانہ وار ادھر اُدھر تکنے لگا کہ اتنے میں حسرت و یاس سر پر آ پکاریں کہ حضرت خیر تو ہے سچ فرمائیے کیا رنگ ڈھنگ ہیں۔ یہ ہر ایک سانس میں آہ سرد چہ معنی دارد۔ کیوں کسی کی ترچھی نگاہ اور بانکی ادا کے تو گھائل نہیں ہو گئے کیا اس ارمان بھرے دل کو کسی شوخ چشم جادو نگاہ نے زخمی تو نہیں کر دیا۔ ہاں۔ ہاں تمہیں اسی پری پیکر جادو نگاہ کی ترچھی نظر کی قسم سچ بتانا دل کی کیا کیفیت ہے۔ یہ سُننا تھا کہ دل بھر آیا مثل مشہور ہے اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانا بے اختیار آنسو بھر آئے۔ اور کہا کہ اے میرے ہمدم و غمگسار جو کچھ تم نے کہا بالکل سچ ہے۔ ابھی ابھی ایک ماہ وش۔ خوبرو۔ بانکی۔ ترچھی ادا والے نے میرے دلکو تیغ ابرو سے زخمی کر دیا اور آپ چلتا پھرتا نظر آیا۔ اُف رے ستمگر

اور کیا اللہ اکبر اس سے بڑھکر ہو ستم
چھیری گردن پر چھری قاتل نے بے تکبیر کے

ہائے وہ غارتگر دین و ایمان میرا دل لیکر کدھر گیا۔ آہ او دلِ بدخو کیا تجھے اسی دن کے لئے اپنے پہلو میں جگہ دی تھی کہ ایسے وقت میں مجھ سے دغا کری۔ کیا میری خدمتوں کا یہی صلا تھا کہ تو ایک ستم ایجاد بے مہر و بیوفا کا ساتھ دے اور اس کا بندۂ بے دام ہو کر اس کی خدمت گذاری کرے اور مجھکو تنہا چھوڑ دے اس اثنا میں گھڑیال کی آواز کانوں میں آئی اور جھٹ سے میری آنکھ کھل گئی دیکھا تو نہ وہ گل ہیں نہ گلزار نہ وہ در ہیں نہ دیوار۔ نہ وہ ماہوش ہے نہ کوئی طرحدار۔ ہم ہیں اور بیمار البستر۔ اپنا جھونپڑا اور فرش خاک ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اے صنم کیا پوچھتا ہے حال اس مجبور کا ٭ دل نے اٹکا ہے کہیں اللہ بے مقدور کا

(انوار احمد مصطفےٰ واعظ از بریلوی مقیم دہرہ دون)

ابن الادیب جناب محمود شیر خان صاحب طبیب میرٹھی سکریٹری انجمن ادب از دہرہ دون

جب ذرا تیوری پڑی ہی جب کھچ گئے ابروئے دوست
رشکِ مقتل بن گئی ہر سو زمینِ کوئے دوست

ہوتے ہوتے ہو چلا ہے صحنِ مقتل کوئے دوست
عاشقوں کی گردنیں ہیں خنجرِ ابروئے دوست

سر کے بل جاتے ہیں صدہا کشتگانِ نقشِ پا
کعبۂ مقصد سمجھتے ہیں زمینِ کوئے دوست

ایک صحرا ہے ہمارے واسطے ہر گلستاں
جب سے آنکھوں میں سمایا ہے ہمارے کوئی دوست

خاک آئے چین اُسے کنجِ لحد میں بعدِ مرگ
جس کے سر کا عمر بھر تکیہ رہا پہلوئے دوست

جوش پر نامِ خدا ہے اندنوں حسن و شباب
دشمنوں کی میرے اُٹھتی ہیں نگاہیں سوئے دوست

گلشنِ جنت میں بھی اک دم نہ بھولی اُس کی یاد
پوچھتا ہوں ہر کسی سے میں نشانِ کوئے دوست

بوئے زلفِ عنبریں شاید اُڑا لائی نسیم
آتی ہے دامن سے اُس کے نکہتِ گیسوئے دوست

جان اچھے وقت نکلی خاتمہ بالخیر ہے
یادِ مولا دل میں ہے چشمِ تمنا سوئے دوست

اے ہوائے شوق لے چل میرا جسم ناتواں
دوش پر اپنے اڑا کر درمیان کوئے دوست

ہائے قسمت دل لگا کر یہ صلا ہم کو ملا
رنج تنہائی ہمیں ہے غیر کو پہلوئے دوست

دفن ہیں اس رہ گذر میں کشتگان تیغ ناز
دیکھ کر رکھنا قدم اے رہروان کوئے دوست

تھام کر دل ۔ روک کر آنسو ۔ عدو کو دیکھ کر
ہائے ہم کن مشکلوں سے دیکھتے ہیں سوئے دوست

جس طرف شوخی سے دیکھا نیم بسمل کر دیا
تیر ہیں مژگاں اگر شمشیر ہے ابروئے دوست

عمر بھر زاہد تمنا خلد کی میں کیوں کروں
خلد کی آغوش سے بہتر ہے جب پہلوئے دوست

کیا اشارہ تھا کہ دل پر چل گئی تلوار سے
تیغ ہے شمشیر ہے خنجر ہے یا ابروئے دوست

غیر غیرت سے زمیں میں گڑ گیا خود اے طبیب
بزم میں دیکھا مجھے بیٹھا جو ہم پہلوئے دوست

بعد مرنے کے بھی حسرت دل کی دل میں ہے طبیب
خلد میں بھی ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم کوئے دوست

ڈیرہ دون کی مشہور چائے

شائقین والا تمکین ڈیرہ دون کی چائے ہر جگہ مشہور ہے - مگر عام دکانداروں کی چالاکی نے خریداروں کو بدظن کر دیا ہے ۔ ہم خریداران کی آسانی اور اطمینان کے واسطے مشتہر کرتے ہیں کہ ہم عمدہ قسم کی چائے بغیر کسی آمیزش کے [illegible] دیتے ہیں - [illegible] فی پونڈ [illegible]

تاجران کے لئے خاص رعایت - جو مینیجر شمع تجلی سے بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے ؛

یادگار سلف

نامہ نگار کے قلم سے خاص شمع تجلی کیلئے

نام نیک رفتگاں ضایع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

مشاہیر عالم بزرگوں کی یادگار قایم رکھنے کا دستور قدیم سے چلا آتا ہے تہذیب جدید نے اس کو خاص فن قرار دیکر اوج پر پہنچا دیا ہے لائف یا سوانح عمری لکھنے کی رسم جب سے شروع ہوئی ہے بہت سے نامور بزرگوں کے حالات تصنیف ہو کر اُن کو حیات دوام کی سند پا چکے ہیں۔ یورپ میں اہل کمال کے کارنامے نہایت محنت اور جانفشانی سے لکھے جاتے ہیں اور ابنائے ملک اُن کی وقعت کرکے اُس کو اتنا چمکاتے ہیں کہ اُس کی روشنی مہر درخشاں کیطرح تمام دُنیا میں پھیل جاتی ہے ہندوستان میں بھی جب سے نئی روشنی نے اپنا رنگ جمایا ہے مُلک میں اسطرف توجہ منعطف ہونی شروع ہو گئی ہے۔ مشاہیر عہد کے حالات و کارنامے لکھے جارہے ہیں اور ملک کا میلان طبع اس طرف پایا جاتا ہے سرسید محسن الملک مولانا شبلی کی سوانح عمریاں اور اُن کی تصانیف کو زیور طبع سے آراستہ کرکے اُن کے خیر خواہوں نے اظہار دلسوزی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اُن کی سوانح عمریاں مختلف طریقوں سے لکھیں اور شہرت دینے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رکھا اس صورت میں جب کسی اہل کمال کی تصنیف کو تعرِ گمنامی میں پڑا دیکھتے ہیں تو سخت قلق ہوتا ہے۔

سید ناصر الدین محمد ابو المنصور جو امام المناظر ہونیکی حیثیت سے مُلک کے

مشاہیر میں امتیازی درجہ رکھتے تھے اور جنکو علم ملک نے اُن کی زندگی میں وحید العصر مان لیا تھا اور اُن کی رحلت کے بعد بھی بڑے بڑے علما نے افسوس ظاہر کیا تھا چنانچہ مولوی لطف اللہ صاحب مفتی حکومت نظام کہتے ہیں کہ بیشک جناب ابو المنصور یکتائے دہر اور وحید العصر تھے اور اُن کے انتقال کے بعد اُن کی تصانیف کی طرف سے اس قدر بے توجہی نہایت حیرت خیز امر ہے۔ (محمود شیر خاں میرٹھی)

جناب الطاف حسین صاحب علم مرادآبادی

قیامت آگئی دورِ بہار آتے ہی گلشن پر — بڑھا دستِ ستم گلچین کا بلبل کے نشیمن پر
برابر طالب و مطلوب کا رُتبہ ہے اُلفت میں — وفا پر ناز ہے مجکو وہ نازاں ہے جوبن پر
کبھی گھر اُسکے جلتے ہو کبھی اُسکو بلاتے ہو — مری جان شکل آئے کیونکر پھر تقدیر دشمن پر
رہا تنہا نہ پُر ارماں عاشق بعد مردن بھی — ہجوم یاس تھا چار طرف سے اُسکے مدفن پر
بہار آتے ہی شاید پھر ہوئی قیدِ قفس بلبل — برستی ہے جو مایوسی سراسر صحنِ گلشن پر
میری دیوانگی بھی فتنۂ محشر سے کب کم ہے — فرشتے کانپتے ہیں نالۂ زنجیر آہن پر
مراد ذوقِ شہادت علم کہتا ہے یہ قاتل سے — کہ مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

طبی مشورہ اور ہر مرض کی مجرب اور زود اثر
ادویات سستی قیمت پر ملنے کا پتہ
حکیم ناظر الدین احمد دہلوی۔ ذہرہ دون

گہری نیند

ارے بیخودی کی نیند کے متوالے ذرا دیکھ کہ زمانہ کروٹیں لے لیکر کچھ اور رنگ بدل کر بیدار کرتا ہے ؎

زمین چمن رنگ کیا لاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

آپ ہیں کہ آنکھیں کھولیں پھر بند کرلیں دیکھتے بھی نہیں کہ دنیا کی کیا حالت ہو رہی ہے آفت پر آفت افتاد پر افتاد چلی آرہی ہے کبھی طوفان عظیم کبھی بجلیاں گر کر اپنا نیا رنگ جماتی ہیں غرضیکہ طرح طرح سے صدہا جانیں تلف و برباد ہو رہی ہیں ایک تو ہے کہ اپنی خواب خرگوش میں ہیں غرضیکہ ع

ایں نامہ در مے ناب غرق باید کے مضمون پر عمل در آمد ہے۔

رہے کہ اس وقت اٹھئیے گا کہ سورج سر پر آئیگا۔

نسیم سحر ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں کی طرح بیدار کرتی ہے افسوس کہ برا معاملہ احمد شاہ و نادر شاہ کا سا ہو رہا ہے۔

طائر خوش الحان اپنے حجرے وا کر دی سے یہ زمزمہ گاتے ہیں ؎

صبح کو طائران خوش الحان
پڑھتے ہیں کل من علیہا فان

آنحضرت بستر استراحت پر پڑے کروٹیں بدل رہے ہیں اور دشمن لوریاں بکر سلاتا ہے اور تھپکتا جاتا ہے کہ ابھی بہت زمانہ ہے کیا جلدی ہے۔ آپ لوری میں آکر دنیا و ما فیہا کو ہاتھ سے گنوا کر کف افسوس ملتے جلتے ہیں اور پڑھتے جاتے ہیں ؎

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا : اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ارے بے خبر خبردار ہو دیکھ زمانہ کی ہوا کس رفتار پر چل رہی ہے سینکڑوں اپنے بیگانہ ہو گئے۔ اب تو جاگ جا یہ تیری نیند ہے یا خدا کا قہر کہ بال بچے عزیز آشنا سب ہی اُٹھ لئے ہیں اور حضرت کو مطلق خبر نہیں ہوتی میں حیران ہوں کہ یہ کیسا النواب اخو الموت ہے۔

اے سونے والے عمر کی تبدیلیاں خود جگاتی ہیں کہ تو بچہ سے جوان ہوا جوان سے بوڑھا بیاہی سے سفیدی آئی سے

پیری نے منہ دکھایا اور ہے شباب راہی

اب تو خواب غفلت سے بیدار ہو اور اس گئے وقت میں کچھ حاصل کر لے ورنہ تمام دہن دولت مال و متاع چور چرا کر لیجاویگا اور سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق بنے گا سے

دو عالم میں دُنیا کی باندی رہے نہ حلوا ملا اور نہ مانڈی رہے

(سید محبوب الرحمٰن امروہوی)

حب سوزاک

ویسے تو کوئی مرض اچھا نہیں مگر سوزاک ایسا نامراد مرض ہے جس سے نہایت بیقراری ہوتی ہے یہ گولیاں سوزاک کے لئے بیحد مفید ہیں۔ سوزاک کی جلن سوزش اور تکلیفوں کو دُور کر دیتی ہیں اور کتنی ہی ریزش ہو صاف کر دیتی ہیں ۲۴ گھنٹے میں جلن وغیرہ بالکل دفع ہو جاتی ہے اور ایک ہفتہ میں بالکل آرام ہو جاتا ہے۔

قیمت ۲۴ گولی دو روپیہ ملنے کا پتہ

۱۶ انڈین میڈیسنز ایجنسی دہرہ دون

جناب منشی عبدالواحد صاحب واحد دہرہ دون

سُنی ہے ہمنے کبھی یہ داستانِ ستم
گلی میں آپکی آیا ہے آسمانِ ستم

ستم شعار سے کرتا ہوں میں بیانِ ستم
کہوں گا غیر سے ہرگز نہ داستانِ ستم

میں وہ نہیں کہ جفاؤں سے منہ موڑوں
بنوں گا میں تو ستمگر ترا نشانِ ستم

چلائے جتنے ہوں تیرِ جفا چلا ظالم
چلے گا دیکھیں تو کبتک یہ کاروانِ ستم

کسی کے جذبۂ دلکو نہ روک لے واعظ
ستم شعار ہے تو یا کہ ترجمانِ ستم

تمہاری بات کا ہوتا نہیں ہے زخم اچھا
دکھائے کس طرح تمکو کوئی زبانِ ستم

نگاہِ ناز سے تڑپا کے مجھکو وہ بولے
دکھائے ہمکو کوئی ہے کہاں نشانِ ستم

کسی کا جھانکنا رہ رہ کے ہائے چلمن سے
کسی کی برقِ نگہ بھی ہے مہربانِ ستم

لگا کے دل کسی بت سے یہ پھول پھل دیکھے
کہ سینہ ہو گیا اپنا یہ گلستانِ ستم

نہ توڑ گل کوئی گلشن کا دیکھ اے گلچیں
نہ دیکھا جائیگا بلبل سے باغبانِ ستم

کسی کی جور و جفا کا نہ کر گلہ واحد
ہوا ہی کرتا ہے عاشق اِک امتحانِ ستم

حضرت اکبر مرحوم الٰہ آبادی کے چند متفرق اشعار

کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دُور دُور کی

مرتبہ منصب بے ترقی کے ہو سکے یا کمال
شیخ مغرب نے جو پایا وہ انکا ادب لیا گیا

پوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے ایک مضمون لکھا
میرا مضمون رہ گیا اور اسکا جوتا چل گیا

عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں
سکنڈ و فرسٹ کی ہو اپنی بند گاڑی جبتک

حکم انگلش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی مسلمو کا

امریکہ میں جوان درخت منتقل کرنیکا قاعدہ

اہل امریکہ نے بڑے بڑے درختوں کو ہری بھری حالت میں منتقل کرنیکا نیا طرز ایجاد کیا ہے۔ جس درخت کو وہ اکھیڑنا اور دوسری جگہ لگانا چاہتے ہیں تو پہلے اس کی جڑوں کا اندازہ کرکے نشان لگا لیتے ہیں اور اس کو ہر چہار طرف سے کھودنا شروع کرتے ہیں جتنا کھودتے جاتے ہیں اسے ٹاٹ وغیرہ سے محفوظ کرتے جاتے ہیں تاکہ اس کی مٹی ادھر اُدھر نہ گرنے پاوے۔ جب خاص گہرائی تک کھود لیتے ہیں تو پھر نیچے سے کھودنا شروع کر دیتے ہیں اور یوں درخت کی جڑیں مٹی میں ایسی محفوظ اور سلامت رہتی ہیں جیسا کہ ایک پودا گملہ میں لگا ہو۔ آخرکار درخت کو مشین کے ذریعہ سے اُٹھا کر موٹر لاری پر لاد دیا جاتا ہے اور لاری اس کو وہاں پہنچا دیتی ہے جہاں لگانا منظور ہوتا ہے۔ یہاں پر گڑھا اُسکی ناپ کے لحاظ سے پہلے ہی سے تیار ہوتا ہے اور درخت کو پھر دوبارہ مشین سے اُٹھا کر اُن ہی سمت اور جوانب کے موافق جیسا کہ وہ پہلے کھڑا تھا اُٹھا کر اس میں رکھ دیتے ہیں اور اوپر سے مٹی وغیرہ ڈالدی جاتی ہے۔

یوں بڑے بڑے ہرے اور جوان درخت ایک جگہ سے دوسری جگہ چند ہی دنوں میں لگا دیے جاتے ہیں۔ درخت خشک نہیں ہوتے بلکہ سرسبز رہتے ہیں ہاں اکھیڑنے سے پہلے جہاں لگانا منظور ہوتا ہے وہاں کی آب ہوا و مٹی کا ضرور پاس کیا جاتا ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بہت جلد یہ قاعدہ مروج ہو جاویگا اور اُن لوگوں کی شکایت جہاں درخت نہیں ہیں یوں رفع ہو سکیگی۔ (سید جمیل الرحمٰن امروہوی)

جناب حکیم قمیش احمد صاحب کیفؔ قدوسی گنگوہی مقیم دہرہ دون

ہم اُن سے آج یہ کہدینگے روبرو ہو کر
بڑی ہے بات کہ یار خو ہو خوبرو ہو کر

یہ بات طے ہوئی زاہد سے گفتگو ہو کر
جو مے پیو تو پیو رند با وضو ہو کر

ہم اُنکو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ساری عالم میں
ہمارے دل میں وہ بیٹھے ہیں آرزو ہو کر

خدا نے آج رقیبوں میں آبرو رکھ لی
ہم آئے کوچۂ قاتل سے سرخرو ہو کر

شمار میں نہیں لاتے وہ اشک خونی کو
ہمارے قلب و جگر بہہ گئے لہو ہو کر

جو وا ہو چشم حقیقت یہ راز کھل جائے
وہ سب گلوں میں سمایا ہی رنگ و بو ہو کر

بُری نظر سے نہ تو دیکھ دخترِ رز کو
تجھے روا نہیں زاہد! فرشتہ خو ہو کر

تو دوست ہو کے بھی مجھپر کرم نہیں کرتا
عدو تو لطف و عنایت کرے عدو ہو کر

کمی پلانے میں کرتا ہی کسلئے ساقی
خسیس بنتا ہے کیوں مالکِ سبو ہو کر

بوقت قتل شہادت کا لے ثواب اے کیفؔ
جھکا دے سر کو تہ تیغ قبلہ رو ہو کر

شربت فولاد جگر اور معدہ کی بیماریوں کیلئے ایک خاص دوا ہے یہ شربت تھوڑے عرصہ میں معدہ اور جگر کی طاقت کو بحال کر دیتا ہے اور غذا کا اچھی طرح ہضم ہونا۔ بھوک میں کمی اور پیدائش خون کی قلت اور چہرہ کی زردی اور جسم کی سستی اور خاص قوت مردمی میں خرابی ان سب شکایتوں کو دور کرتا ہے جسم کے وزن کو بڑھاتا اسکا ایک خاص فعل ہی چند روز میں سب قوتوں کو بہتر کر دیتا ہی قیمت فی شیشی جس میں ۵ تولہ شربت ہے ۱۲؍ ملنے کا پتہ
انڈین میڈیسنز ایجنسی دہرہ دون

لطائف

۱۔ ایک جنٹلمین جاڑے کی رات میں سمٹے سمٹائے اپنے کمرہ میں بیٹھے تھے کہ انکے کان میں آواز آئی "ملائی کا برف" چنانچہ اُنہوں نے برف والے کو بلا کر چار آنہ کی برف خرید کر کھانی شروع کی اور برف والے سے پوچھا کہ کیوں بے اس جاڑے کی رات میں کون اُلو برف کھاتا ہوگا۔ برف والا بولا حضور جیسے ہی شوقین کھاتے ہیں اور کون کھا سکتا ہے۔

۲۔ ایک لڑکا ایک باغ میں داخل ہوا اور سیب توڑنے درخت پر چڑھا اور ایک سیب توڑنے پایا تھا کہ باغبان آپہنچا اور درشتی سے پوچھا کہ درخت پر کیوں چڑھا ہے۔ لڑکے نے اوپر سے باغبان کو سیب دکھلایا کہ یہ سیب زمین پر ٹوٹا پڑا ہوا تھا میں نے یہ خیال کرکے کہ مبادا تم کو مجھ پر شبہ ہو میں اس سیب کو اس کی جگہ از سر نو لٹکانے کی غرض سے درخت پر چڑھا ہوں۔

۳۔ زید اور بکر خالد سے ملنے گئے دیکھا کہ خالد عینک لگائے سو رہے ہیں۔ دوپہر کا وقت ہے زید نے اعتراض کیا کہ سوتے وقت بھی عینک نہ اتاری۔ بکر نے جواب دیا کہ اگر خواب دیکھیں تو عینک کے بغیر مشکل پڑے۔ اسلئے ہمیشہ عینک لگا کر سوتے ہیں۔

۴۔ ایک شخص جو اپنی بیوی سے ناراض رہا کرتا تھا سخت بیمار ہوا۔ علالت میں بیوی نے خوب خدمت کی جو کچھ ڈاکٹر صاحب نے بتلایا وہی کیا حتی کہ ڈاکٹر صاحب اس سے نہایت خوش ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے علاج کے بعد وہ شخص تندرست ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرنے گیا ڈاکٹر صاحب نے فرمایا بھائی میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ درحقیقت اس شکریہ کی مستحق تو تمہاری بیوی ہے جس نے تمہاری خوب خدمت کی۔

اس آدمی نے کہا بہت خوب جناب جو فیس میں نے آپ کی ابتک ادا نہیں کی ہے بس وہ بھی میں اپنی بیوی کو دیدوں گا۔

۵۔ ایک لڑکے نے سلیٹ پر ریل گاڑی کے انجن کی تصویر بنائی۔ سلیٹ لیکر وہ خوشی خوشی اپنے باپ کے پاس گیا اور کہا ابا جان دیکھو ہم نے انجن کھینچا ہے۔ باپ نے خوب دیکھ بھال کر کہا بیٹا تم نے ریل گاڑی تو کھینچی نہیں لڑکے نے کہا ابا جان بیشک مگر اماں جان کہتی ہیں کہ ریل گاڑی تو صرف انجن ہی کھینچ سکتا ہے۔

جناب منشی عالم حسین صاحب عالمؔ دہرہ دون

عدو کی بزم میں ہنس ہنس کے اے جانِ جہاں تو نے
گرائیں خرمنِ دل پر ہمارے بجلیاں تو نے

مٹا ڈالا ہے سب ظالم مزارِ کشتگاں تو نے
نہ رکھا ہے نشانوں کا بھی باقی نشاں تو نے

تصور میں خیالِ یار تو آیا تو کیا آیا
ہمارا خواب راحت کر دیا خوابِ گراں تو نے

جگر کو تھام لینا باغباں سے بھی ہو جاتا
نوا سنجانِ گلشن کی سنی کب داستاں تو نے

چھپا رکھا تو منہ دشمن کے دامن میں چھپایا ہے
غضب کی سیکھ لیں نام خدا یہ شوخیاں تو نے

گرا ہے تیرا ذوقِ مے پرستی شوق میں منشی
رکھا سر زیرِ بارِ منتِ پیرِ مغاں تو نے

سخن کو تیرے سنکر اہلِ محفل دنگ ہیں عالمؔ
دکھایا خوب اپنی نظم میں رنگِ زباں تو نے

جناب حافظ نظیر احمد خاں صاحب حافظ دہرہ دون

رہنے دے گڑ دل میں میرے تیر اُسکا ہل گیا — یوں سمجھنا یہ بھی اسکا بن کے ارماں رہ گیا
ہاتھ میں قاتل کے جب خالی نمکداں رہ گیا — ہر دہانِ زخم میرا ہو کے خنداں رہ گیا
سُن چکا اُنکے لب شیریں کا جب مجھسے بیان — چاٹتا ہونٹوں کو بس لعل بدخشاں رہ گیا
حُسن کا اور عشق کا کیسا نرالا سین تھا — رات حیراں دیکھ مجھکو وہ بھی حیراں رہ گیا
مر کے دیکھی بھی نہ قاتل سے سبکدوشی ہوئی — پھر بھی گردن پر نیا اک بار احساں رہ گیا
چلدیئے ہیں دفن کر کے اپنے بیگانے مجھے — قبر پر باقی ہجوم یاس و حرماں رہ گیا
شوق نامہ لیکے پہنچا غیرت بلقیس تک — پیچھے قاصد سے میرے مُرغ سلیماںؑ رہ گیا
ہائے حسرت لیکے کمزوری مجھے بیٹھی وہاں — جب قدم دو تین مجھسے کوئے جاناں رہ گیا
ابتو حافظ تونے وہ محراب ابرو دیکھ لی — دیکھئے اتنا ہی ہے جو یاد قرآں رہ گیا

ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را

گو صحبت دوستاں ہے فرحت کا سبب — لیکن خالی یہ رنجشوں سے تھی کب
رنجور جو عافیت تجھے ہو مطلوب — تیرے لئے ہے گوشہ گزینی انسب

وجود باری تعالیٰ

تم کہتے ہو کب کس نے خدا کو دیکھا — اس بادشہ ارض و سما کو دیکھا"
ثابت ہے اگر تم یہ ہوا کی ہستی — بتلاؤ۔ کہ کب تم نے ہوا کو دیکھا

ڈر بلئے قاضی

کیا شیخ کو خوف پرسشِ روز حساب — ڈر ہے تو یہ ہے کہ ہو نہ اور بھی عذاب
قاضی سے کسی نے پوچھا ڈبلے کیوں ہو — "اندیشہ سے شہر کے" دیا اُس نے جواب

(رنجور)

خسخانۂ بلبل

(از جناب محمد آفاق صاحب قریشی سکروڈی)

تجھے معلوم کیا ہے اے گل خوش رنگ بستانی
سناؤں آ تجھے خسخانہ بلبل کی ویرانی

وہی بلبل فدا ہوتی تھی تجھپر مثل پروانہ
جیا کرتی تھی تیری دیکھ کر تو شکل نورانی

نہ بھایا آسماں کو نغمۂ دلکش کوئی اسکا
پسند آئی نہ اس ظالم کو کچھ اسکی غزلخوانی

نہ دیکھا جا سکا جب آسمانِ سفلہ پرور سے
ہوا آمادۂ جور و جفا یہ ظلم کا بانی

اشارہ سے بلا کر آہ اس نے ابر باراں کو
کہا خسخانہ بلبل پہ فوراً پھیر دے پانی

نہ کی اسپر بھی بس ظالم نے کی تاکید بجلی کو
رہے تیری طرف سے بھی کچھ اسپر آتش افشانی

اسیدم برق آتشبار لیکر دوڑی انگارے
بلائے آسمانی بنکر آیا ابر بارانی

جلا کر کر دیا بجلی نے خسخانہ کو خاکستر
بہا کر راکھ اسکی لیگئی پانی کی طغیانی

بصد حسرت یہ اُسدم بلبل ناشاد کہتی تھی
نہیں ہے اب کوئی چارہ سوائے فضل ربانی

مخاطب کرکے کہتی تھی کبھی چرخ ستمگر کو
کہ او ظالم نہیں بیکس پہ اچھی یہ ستمرانی

کبھی یہ کہکے اپنے دلکو خود تسکین دیتی تھی
کسی تدبیر سے مٹتی نہیں تحریر پیشانی

سُنے یہ نالۂ جانکاہ جسدم میں نے بلبل کے
کلیجہ ہل گیا میرا بھر آیا آنکھ میں پانی

کہا میں نے کہ اے کان محبت جان الفت کی
صلائے عشق بازی ہے پریشانی و حیرانی

جو مجھسے پوچھتی ہے سچ تو اقلیم محبت میں
نہ مجنوں مثل ہے تیرا نہ تیرا کوہکن ثانی

ترے دم سے ہے زندہ نام الفت آج دنیا میں
نشان عشق ہے تیری غبار آلودہ پیشانی

یہ ہے ضرب المثل کل گلشن آفاق میں بلبل
ثمر ہیں نخل الفت کے غم و رنج و پریشانی

کہا بلبل نے سنکر اے شفیق مہرباں مجھکو
گلہ یہ ہے کہ میری بے خطا کی خانہ ویرانی

جلایا ہے سبب بجلی نے گر گر آشیاں میرا
ہوا ہے وجہ بربادی دشمن جاں ابر بارانی
کہا سنکر یہ میں نے گر گلہ اپنے مقدر کا
شکایت انکی کرتی ہے تو یہ تیری ہے نادانی
جو سچ پوچھے ہی تو مجھے سزا اب جرم الفت ہے
کہاں کی برق آتشبار کس کا ابر بارانی
تری الفت میں ہی اے گل ہوں خون رنگ بتانی
ہوئی ہے بے طرح خستحال بلبل کی ویرانی

فلک آفاق را بنوا مفت تو ہ جتنا آں دم
تمرد رگس آماجب مشاکر زمانہ لاثانی

ریویو

اُردوئے معلیٰ

اُردو علم ادب کا ایک ماہواری رسالہ جو منشی قربان علی صاحب بسمل کی اڈیٹری و سپروائزری میں شاہجہانی پریس دہلی سے شایع ہوتا ہے مضامین عمدہ لکھائی چھپائی دیدہ زیب ۔ اِن تمام خوبیوں پر چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک صرف ایک روپیہ ۔ نمونہ کے لئے اڈیٹر صاحب سے خط و کتابت فرمایئں ۔

مصرعہ طرح بابتہ ماہ نومبر

حُسن کی فوج میں سا دیکھے یہ زرہ پوش سنے

گیارہ شعر سے زیادہ درج نہیں ہونگے ۔

تعریف بکی کریو برائی کسی کی مت کریو
غصہ کرنا میری محبت میں حرام ہے۔ محبت کو پردۂ راز میں رکھنے والیکا نیک نام ہے۔ شیوۂ عاجزی اختیار کر۔ ہر چھوٹے بڑے کو پیار کر جس کام کو کر سکے اسکا اقرار کر جس کام کو نہ کر سکے اس سے انکار کر بہادر وہ ہے جسکو کبھی غصہ نہ آئے۔ حسین وہ ہے جو دلپہ بجلی گرائے۔ مخلوق وہ ہے۔ جو سبکے کام آئے۔ معشوق وہ ہے جو تیرا دل بہلائے۔ عاشق وہ ہے جو نازُ اٹھائے صابر وہ ہے جو راز چھپائے۔ سنا کہ نہیں کیوں رہے دیوانہ۔ بس جا مگر جفا کا شکوہ زبانپر نہ لا میں نے کہا آپکا نام کہا۔ عقبلے عقبلی۔ میں نیچی گردن کئے بیٹھا تھا اب جو منہ اٹھا کر دیکھا تو اسی حوض کے کنارے خمار خواب میں مبتلا بیٹھا ہوں۔ (باقی آئندہ) قابل مراد آبادی

طوفان تخیلات

از
(جناب حکیم عبدالعلی خاں صاحب بسمل علی گڈھی)

توڑ گیئے دل تیرے نالے کسنے کہا تھا حشر اٹھا ہے
صور محبت پھونکنے والے ظرف کسیکا دیکھے نہ بہالے

ہل گئی ہل گئی دل کی دنیا
بس کر بس کر بانسری والے

پی لے چلکر آج تو پی لے کوندر ہی ہے درد کی بجلی
کھل گئے میخانوں کے تالے دیکھہ کے بادل کالے کالے

ہل گئی ہل گئی دل کی دنیا
بس کر بس کر بانسری والے

خون تمنا کھول رہا ہے — آگ لگا دی پردۂ دل میں
ڈال دئے رگ رگ میں چھالے — کافر ایسے راگ نکالے

ہل گئی ہل گئی دل کی دنیا
بس کر بس کر بانسری والے

جاگ اٹھے سب سوتے فتنے — تو بھی دے اس کافر لے کو
ظلم سے اب تو ہاتھ اٹھا لے — او متوالے او متوالے

ہل گئی ہل گئی دل کی دنیا
بس کر بس کر بانسری والے

ضبط فغاں کر ضبط فغاں کر — بسمل کوئی غیر نہیں ہے
مل کر آجا درد بٹا لے — بسمل کو ہمراز بنا لے

ہل گئی ہل گئی دل کی دنیا
بس کر بس کر بانسری والے — (بسمل)

"عرب کا عشق"

(جناب محمد آفاق قریشی منگلوری متعلم دار العلوم دیوبند)

دوست تو دوست خدا دشمن کو بھی عشق و محبت کی شعلہ خیز آگ میں مبتلا نہ کرے آہ اسمیں طرح طرح کی ذلتیں اور قسم قسم کی رسوائیاں سر پر لینی پڑتی ہیں مگر جذبۂ عشق اور ولولۂ تعشق میں تمام کی تمام انگیز کرنا پڑتی ہیں۔ عجیب ولولہ

ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے پر قابو نہیں رہتا۔ تمام دنیا اسکی نظروں میں تاریک نظر آنے لگتی ہے۔ نہ اس کو اپنی عزت و مرتبہ کا کچھ خیال دامنگیر ہوتا ہے نہ شرافت خاندانی کی کچھ پروا ہوتی ہے۔ نہ بزرگوں کا کچھ پاس ادب باقی رہتا ہے۔ نہ دوستوں کی طعنہ و تشنیع کی کھٹک دل میں پیدا ہوتی ہے خدا کی پناہ مخموری، مخموری اور بیخودی سی بیخودی ہوتی ہے۔ کہ زمانہ اور زمانہ کی بیشمار زمانہ سازیاں ایک طرف اور خیال یار ایک طرف۔ ہر گھڑی محبوب کا تصور نظروں میں سمایا رہتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ حسن و عشق رسم و راہ کے لذت آشناؤں کی حالت کا اندازہ مشکل اور مشکل تر ہے۔ ناشاد و نامراد عشاق حرمان نصیب دلدارگان احباب پر لہرآں اور ہر ساعت جان نثاری اور جانگذاری کی ایک حالت اور کیفیت طاری رہتی ہے۔ یہ سچ ہے۔ بےبسی اور بیکسی کی حالت میں اور مجبوری و یاس کے عالم میں انسان وہ کر گذرتا ہے جو اسے کسی حالت میں بھی نہ کرنا چاہیئے تھا۔ انتہا کہ انسان جان سے گذر جاتا ہے۔ اب میں اپنے عنوان کی طرف رجعت کرتے ہوئے یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اہل عرب کی حالت عشق میں کیا ہوا کرتی تھی۔ اور انہیں کون سی عشق کی سوزش اور محبت کی آگ مشتعل ہوتی تھی۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ عرب کے صحرا اور بیابان کے رہنے والے بدویوں میں اس کثرت اور زیادتی کے ساتھ عشق بازی کا بازار گرم تھا کہ جسکو دیکھو وہ عشق کا دم بھرنے والا تھا۔ ہر فرد انسان کسی نہ کسی کا متوالا و شیدا نظر آتا تھا۔ اس کا باعث اور موجب محض یہی تھا کہ ان کے درمیان میں پردہ کی جھلک اور پوشیدگی کی رمق نہ تھی۔ بلکہ وہ اپنے من موہنی چہرہ کو انکشاف کئے پھرا کرتی تھیں۔ نہ کسی

کا ڈر تھا اور نہ خوف نہ رہزن کا خطر تھا اور نہ چور کا ہراس - نہ کسی کی روک تھی
نہ رکاوٹ - کیونکہ پردہ پوشی کی تنبیہ اسی وقت سے کی گئی ہے - جبکہ شریعت
محمدیہ کا پرچم لہرایا ہے - اور جبکہ احکام خداوندی کی برہنہ شمشیر چمکی ہے
اور جبکہ آیت حجاب نے اپنا نزول کیا ہے - اسی زمانہ میں ہر بدوی کو
ممانعت کی گئی کہ اپنے عورتوں کو پردہ سے باہر نہ جانے دو - بلکہ انکو ایک چہار دیواری
کے اندر محفوظ رکھنا چاہئے - اصفہانی نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ خلفاء
عباسیہ کے زمانہ میں اس وقت تک لڑکیوں سے پردہ کی تنبیہ نہ کی جاتی تھی
تاوقتیکہ وہ صاحب اولاد نہ ہو جائیں (کیا خوب ہی زمانہ ہے - کہ ہر لڑکی کا جوبن
ابھرتا ہوا ہوتا ہے - اور ایک شہوت کی حد انئیں ہوتی ہے - بعد تولد بچہ
کے کو ان اپنی نظروں میں لاتا ہے) اگر ہنوز بدوی عورتیں صحراؤں میں کھلے
منہ پھرتی ہیں - جو کچھ غزلیات و ہزلیات قدیم کلام عرب میں پائی جاتی ہیں
وہ محض اسی بے پردگی کا فیض ہے - اور جو کچھ ہے اسی صحرا نشینی کا انجام
ہے - اب رہا یہ امر کہ عشق کیا چیز ہے - اور وہ کونسی محرک شے ہے - کہ انسان
کو مضطر اور پریشان بنا دیتی ہے - اسکی اصل تعریف یہ ہے کہ جو سالکین
نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے - کہ محبت اپنے معشوق اور محبوب کو
دیکھکر کمال درجہ خوشی و مسرت کے اظہار کرنے پر مجبور ہو جائے - اور
بعضوں نے کہا ہے کہ مطلق افراط محبت کا نام عشق ہے - اب رہا یہ امر
کہ عشق کس طرح پر ہوتا ہے - اسکی بھی چند صورتیں ہیں - کبھی تو غلو
محبت سے تعشق ہو جاتا ہے جسمیں کوئی خاص غرض اور کوئی مطلب
معشوق سے نہیں ہوتا - بلکہ اس کا کوئی فعل اور کوئی امر مثلاً صورت
یا ادا یا عقل پسند آ جانے پر دل اسکا فریفتہ ہو جاتا ہے - اور کبھی عشق

نجس ہوتا ہے۔ مگر اس کو عشق ہرگز کہنا مناسب نہیں۔ بلکہ خواہشات نفسانی کا پورا کرنا ہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ عشق اسے کہتے ہیں کہ عاشق کے حواس خمسہ ایسے باطل ہو جائیں اور وہ محبوب کی الفت میں اس درجہ محو ہو جائے کہ اسکا ہر برا اور قبیح فعل اسکی نظروں میں خوشگوار معلوم ہو۔ اور بعض کا قول یہ ہے۔ کہ عشق خاک کچھ چیز نہیں۔ بلکہ ایک وہمی اور سوائی مرض ہے۔ کہ جیسے کوئی اپنے معشوق کے تصور اور خیال میں اس درجہ محو ہو جائے۔ اور اسی محویت میں ایک سوزش اور لگن پیدا کرے۔ ابن فارس کا قول ہے کہ عورتوں پر سرشار اور بیخود ہونے کا نام عشق ہے اور اطبا نے اس عشق کو امراض میں شمار کیا ہے۔ اسی وجہ سے اطبا نے اپنی کتب میں اسکا علاج بھی درج کیا ہے۔ اگرچہ ایک ہندی شاعر کا قول ہے ؎ مریض عشق پر رحمت خدا کی ؛ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ حکیم بقراط کا قول یہ ہے کہ عشق کل امراض میں آدھا اور نصف مرض ہے۔ تمام امراض جسمانیہ ایک طرف اور یہ ایک طرف۔ اور حکیم ابو علی فارابی کا قول ہے کہ عشق دو ثلث مرض ہے۔ کیونکہ اسکا تعلق محض جسم ہی کے ساتھ نہیں۔ بلکہ روح پر ایک خاص کیفیت طاری کرتا ہے۔ کہ جسکی وجہ سے انسان بیکار و مضمحل ہوتا چلا جاتا ہے۔ جیسے ایک جگہ ایک ہندی شاعر یعنی غالب نے خوب کہا ہے ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

(باقی آئندہ)

خمسہ بر غزل صائب

مقتول شکوہ آبادی تلمیذ فصیح العصر حضرت نوح ناروی مدظلہ جانشین داغ دہلوی رح

سائراں گلبنِ صدق و صفا بودیم ما   مثل مرغانِ خوش الحان لطف زا بودیم ما
عالم عیش و طرب بودیم ما بودیم ما   یاد ایامیکہ باہم آشنا بودیم ما
ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما

اے تغافل کیش وہ دن وہ زمانہ بھی ہے یاد   دونوں مل جلکر رہا کرتے تھے باہم شاد شاد
ایک ہی لے میں تھے محو نغمۂ وقت و وداد   معنئ یک بیت بودیم از طریق اتحاد
چوں دو مصرع گرچہ در ظاہر جدا بودیم ما

صبحدم اٹھ کر گلے ملتے تھے کیا کیا پیار سے   اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے دعا کیواسطے
ہاتھ دو دو تھے مگر یکساں دعا کے مرحلے   بود دایم چوں زبانِ خامہ حرف ما یکے
گرچہ پیش چشم صورت بیں دوتا بودیم ما

وقت پر تو میری میں کرتا رہا تیری مدد   کتنا اپس میں رہا اخلاق۔ اَللّٰہُ الصَّمَد
الغرض دونوں ہی تھے ایک سطرح بے دو کد   چوں دو برگ سبز کز یک دانہ سر بیروں کند
یک دل و یک رو بے در نشو و نما بودیم ما

عشق میرا بندۂ زر حسن تیرا زر خرید   مجھ کو تیرا تجھ کو میرا تھا میسر لطف دید
جیسے دو آئینوں میں ہو جلوہ گر عکس وحید   اختر ما سعد بود و روزگار ما سعید
از سعادت زیر بالِ یک ہما بودیم ما

میرے لب پر تھا وظیفہ تیرے لب پر تھی درود   کوئی تھا مصروف منت کوئی تھا وقف سجود
رہروانِ حسن و الفت کو نہیں لازم قیود   دوری منزل حجاب اتحادِ ما نبود
واقفیم از ہم خبر در ہر کجا بودیم ما

تو بھی مفتون عشق پر تھا میں بھی مفتون حسن پر
اس طرف ناسور دل تھا اس طرف زخم جگر
اشک خون سے انکو دھوتے تھے برابر بیٹھ کر
چارہ جویاں رانشے داریم صائب درد سر
دردہائے کہنۂ ہم مادوا بودیم ما

"انسان کی فضیلت تعلیم"

انسان کیا چیز ہے انسان اپنی ظاہری اور باطنی بناوٹ کے اعتبار اور بہترین تناسب اعضاء کے سبب سے دوسرے تمام حیوانات سے الگ اور جدا ہے۔ اس حیوان گویا کی صورت و سیرت دیگر حیوانات سے ممتاز ہے۔ اور یہ امتیاز ظاہری و باطنی اوسوقت بھی تھا جبکہ وہ موجودہ تہذیب و تمدن سے عاری اور زمانۂ حال کی جدید اشیاء سے بے بہرہ تھا۔ کیونکہ اسکی فطرت ہی ہر چیز سے الگ ہے۔

انسان کے اندر اور باہر کی چیزیں۔ ہاتھ پاؤں۔ شکل و صورت۔ عقل و دل اور ان اشیاء کی بے نظیر و ممتاز ترکیب و کیفیت ہی اسکو دوسرے تمام حیوانات سے جدا کردیتی ہے۔ اور اس لحاظ سے انسان کی ہم اسطرح تعریف کرسکتے ہیں کہ

اس حیوان گویا کی وہ شکل صورت۔ عقل و دل اور ظاہری و باطنی حالت جوکہ دوسرے حیوانات سے الگ اور جدا ہے۔ انسانیت کہلاتی ہے۔ اور اسی کے وجود کی وجہ سے اسکو انسان کہتے ہیں۔

انسان بیکار پیدا نہیں کیا گیا ہر چیز کی ظاہری و باطنی بناوٹ پر غور کرنے

سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور حکیم مطلق نے اوسکے وجود میں کیا غایت و غرض پوشیدہ رکھی ہے۔ اسی اصول پر کاربند ہوکر عقلاءِ زمانہ نے ہزار ہا نامعلوم اسباب و اغراض کا پتہ لگالیا ہے۔ اور جب تک انسان کے پاس سعی اور کوشش کا جوہر موجود رہیگا۔ برابر وہ مجہول کو معلوم سے بدلتا رہیگا۔

مثلاً کرتا۔ پائجامہ۔ ٹوپی۔ جوتا۔ ان سب اشیاء کی ظاہری اور باطنی حالت پر غور کرکے یہ بات ایک معمولی عقل رکھنے والے کو بھی معلوم ہوسکتی ہے۔ کہ کرتا بدن کے اوپر کے حصے پر اور پائجامہ نیچے کے حصے پر پہننے کیلئے بنایا گیا ہے۔ یا ٹوپی کو دیکھکر معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ سر پر اوڑھنے کیلئے اور جوتا پاؤں میں پہننے کیلئے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کی بناوٹ انہیں امور کیلئے موزوں ہے۔

ایسے ہی دھاردار چیز کو دیکھکر معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ یہ کسی چیز کو کاٹنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ غرض فطرت کی تمام اشیاء کی بناوٹ پر غور کیا جائے تو اونکی پیدائش کی اصلی غرض تک رسائی ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ اندرونی اور بیرونی حالتوں کو گہری نظر سے دیکھ لیا جائے۔

اسی اصول پر جب ہم انسان کی نہایت و غرض کو معلوم کرنا چاہیں تو معلوم ہوجائے کہ اس حیوان ناطق کی ظاہری اور باطنی بناوٹ اسپر شاہد ہے کہ یہ کسی نہ کسی کام کے لئے ضرور پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسکی پیدائش بیکار اور لغو نہیں اور کیونکر بیکار ہوسکتی ہے جبکہ اوسکو خدائے حکیم نے پیدا کیا ہے۔ اور حکیم کا کوئی فعل بیکار و لغو نہیں ہوتا۔

انسان کے ہاتھ پاؤں اور انکی ہیئت بتاتی ہے۔ کہ یہ کسی نہ کسی کام کیلئے

ہیں۔ ایسے ہی منہ زبان وغیرہ بیکار نہیں۔ اور اسکے جسم کے اندرونی اعضاء وقوتیں۔ دل جگر عقل وخیال وغیرہ بھی لغو نہیں۔ بلکہ کسی خاص کام کے لئے پیدا کیئے گئے ہیں۔

غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہاتھ پاؤں کی حرکت سے انسان مختلف کام کر سکتا ہے۔

آنکھوں سے دیکھکر ناک سے سونگھ کر زبان سے چکھ کر بہت سی چیزوں سے نفع ونقصان اٹھا سکتا ہے۔ نیز خوشبو وبدبو کو محسوس کر سکتا ہے میٹھے کڑوے میں امتیاز کر سکتا ہے۔ عقل ودل سے بہت سی چیزوں کو سوچ سمجھ سکتا ہے۔

تمام افعال ارادے کے ماتحت ہیں۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ کان زبان ناک غرضکہ تمام اعضاء وجوارح کی حرکت ارادے کے تابع اور مطیع ہے۔ یعنی ارادہ ایک حاکم وافسر ہے اور یہ سب چیزیں ماتحت ومحکوم ہیں۔ ارادہ نہو تو ہاتھ ہلے نہ پاؤں آنکھ دیکھے نہ کان سنے۔ غرضکہ تمام اعضاء وجوارح کی حرکت ارادے کے ماتحت ہے۔

ارادہ شوق وخوف کے ماتحت ہے۔ اور ارادہ بغیر خوف یا شوق کے نہیں ہوتا۔ مثلاً کہانیکا ارادہ نہیں پیدا ہو سکتا۔ جب تک کہ بھوک سے مرجانیکا خوف یا حصول لذت کا شوق نہو۔ اسی پر پہننے اوڑھنے وغیرہ کو قیاس کر لیا جاوے۔ غرضکہ نفع کا شوق یا نقصان کا خوف ہی ارادہ کو حرکت دیتا ہے۔ اور اس لئے یہ صحیح ہے کہ ارادہ شوق یا خوف کے ماتحت ہے

شوق اور خوف علم کے ماتحت ہیں۔ کسی چیز سے انسان اوس وقت تک خوف نہیں کرسکتا جب تک کے اوسکی ظاہری و باطنی حالت سے یا کسی دوسرے طریقے سے یہ علم نہو جائے کہ یہ شے مجھکو نقصان و مضرت پہونچا سکتی ہے۔ خواہ یہ ڈر اوسکے زبردست ڈیل ڈول اور ہیبت ناک جسم کے دیکھنے سے ہو یا اوسکی مہیب حرکت و روانی سے یا کسی اور طریقے سے۔ اسی طرح کسی چیز کا شوق جب تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک یہ علم نہ ہو جائے کہ اس سے ہمکو نفع پہونچ سکتا ہے یا فرحت و راحت مل سکتی ہے۔

اس تقریر سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ شوق و خوف دونوں علم کے تابع ہیں۔ اب اگر تمام مقدمات کو ملا کر نتیجہ نکالیں تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ۔

انسان کے تمام اعضاء ظاہری و باطنی اور ترکیبی و تناسبی قوٰی علم کے تابع ہیں اور بدون علم کے لغو و بیکار ۔ اور انسان بغیر علم کے لاشے بے جان اور بے کار محض ہے۔ کیونکہ علم ہی کے ذریعہ اوسکے تمام اعضاء حرکت کرسکتے ہیں۔ اور حرکت کے بعد اسکے نتائج افعال خود اسپہ شاہد ہونگے۔ کہ یہ بیکار پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ قدرت نے اسکے وجود کی ساتھ بے تعداد منافع اور بہترین راز متعلق کئے ہیں۔ جنکی وجہ سے اوسکو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت ہے۔ ورنہ تو یہ سب سے زیادہ حقیر ہے

خلاصہ یہ کہ انسان کی پیدائش کی اصلی غرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنے تمام اعضا تمام پر شوکت قوتوں کو اس خوبصورتی اور عمدگی سے حرکت دے کہ جس سے اسکی فضیلت تمام مخلوقات پر عملاً ثابت و برقرار ہے۔ اور کائنات کا

ہر ذرہ اسکا مطیع و فرماں بردار ہو جائے۔ لیکن یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ یہ کائنات کے مالک و خالق کا پورا پورا فرماں بردار بنے

تعلیم سے علم پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا نے انسان کو خاص اور بے نظیر علم عطا فرما کر اسکو تمام کائنات سے افضل و برتر بنایا ہے۔ اسلئے اسمیں فطرۃً اس علم کی قوۃ و استعداد موجود ہے اور اسی وجہ سے یہ تمام پر بھاری ہے۔

لیکن اسکے اعضاء کی بناوٹ اور قوتوں کی کیفیت بتاتی ہے۔ کہ یہ علم کی قوت پوشیدہ اور مستور ہے۔ جب تم ان ہاتھ پاؤں عقل و خیال کے پرزوں کو حرکت دوگے تو وہ پوشیدہ علمی قوت ظاہر ہوگی۔ اور اگر حرکت نہ دوگے تو ظاہر نہ ہوگی۔ اور گو کہ اوس وقت بھی جبکہ اسکی قوت علمیہ پردے سے باہر نہ آئی ہو۔ انسان کو برتری اور فضیلت تمام مخلوقات پر حاصل ہے

انسان کی پیدائش کی غرض اوسکی برتری اور فضیلت کا اعلان ہے
لیکن چونکہ انسان کی پیدائش کی غرض اصلی اسکی فضیلت و برتری کا اعلان ہے۔ اور یہ اعلان و ظہور اوسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ اپنے قوے کا صحیح استعمال کر کے خدا کے فرمودہ (لقد کرمنا بنی آدم) کی عملی تصدیق نہ کر دے۔ اور یہ اعلان اسوقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پوشیدہ علمی قوت کو ظہور کے درجہ میں نہ لے آئے۔ اسلئے بغیر علم کے انسان کی فضیلت کا اعلان نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اوسکی اصلی غرض پوری ہو سکتی ہے۔

قوت علمیہ کا ظہور تعلیم سے ہوتا ہے اور اس پوشیدہ علمی قوت کا ظہور اور اعلان بغیر تعلیم کے غیر ممکن ہے۔ اسلئے انسان کی پیدائش کی غرض و

غایت کا تعلیم ہونا ایک امر حق و صحیح ہے۔ اب رہی یہ بات کہ تعلیم صحیح حیس سے انسان کی غرض و غایت پوری ہو گیا ہے۔ اور اسکا حصول کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسکو ہم انشاء اللہ آئندہ تحریر کرینگے۔

ابوالبیان عثمانی (دیوب) از دیوبند ضلع سہارنپور

"خون شدہ دل"

کشور دل کا تمہیں آج دکھاؤں نقشہ
حسرت و یاس کے عالم کا دکھاؤں نقشہ
سوزش قلب کا میں کھینچ کے لاؤں نقشہ
لرزش قلب کی ہیبت کا بٹھاؤں نقشہ
طرب و عیش کا میں دل سے مٹاؤں نقشہ
رو کے ساون کی جھڑی کا میں اڑاؤں نقشہ

اور اجڑے ہوئے گلشن کا بناؤں نقشہ
خون بیکس خون شدہ دل کا میں بناؤں نقشہ
نیم بسمل کی تڑپ کا میں بناؤں نقشہ
ایک عالم کے دلوں پر یہ جماؤں نقشہ
رنج کا غم کا محن کا میں جماؤں نقشہ
چشم گریاں سے پیوست کا مٹاؤں نقشہ

دونوں ہاتھوں سے کلیجہ کو پکڑ کر رہ جاؤ
خون شدہ دل کا تمہیں گر میں دکھاؤں نقشہ

(یعقوب عثمانی)

ملفوظات سلمانی

دگناہ ظلم ہے، اور ظلم گناہ، نہ صرف دوسروں کو آزار نہ پہونچا، بلکہ اپنے نفس اپنے جسم، اپنے دل ودماغ، پر بھی زیادتی نہ کر، کیونکہ یہ بھی تیرے محکوم ہیں۔ اور ہر ایک حاکم سے۔ اسکے محکوم کی بابتہ پوچھا جائیگا۔

او شرافت کی جستجو کرنے والے، خیالات اور افعال کو شریف بنا۔ اور اپنی جستجو ختم کر۔

زندگی، جد وجہد کا نام ہے۔ یاد کرو، سورۂ والعادیات۔ الخ، اور ہمارا قومی راگ، اسی نکتہ کو لئے ہوئے ہے۔

تیغوں کے سایہ میں ہم پلکر جوان ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

وقت روپیہ ہے، اور روپیہ وقت، ترقی کرنے والی قومیں۔ اس راز کو سمجھے ہوئے ہیں۔

زندگی کا مقصد۔ اگر حقیقی خوشی۔ اور بہتر کرنا ہو تو ایک پُر سکون انجام کی امید کی جاسکتی ہے۔

محنت اور عیش دنیا کے انقلابات کے راز ہیں۔ محنت کے ساتھ ترقی اقلاح اور عیش کے ساتھ، زوال وتکبت، نامعلوم طریقہ سے وابستہ ہے ہیں حتی کہ نظام فلکی بھی۔ اس ارامنی قانوں سے بغیر متاثر نہیں - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - -

- - - - حبیب بدر اول شب کی پابندی چھوڑ کر، عروج حسن سے راحت طلبی میں آجاتا ہے۔ اور اپنے تشنہ کامان جمال کو انتظار کی گھڑیاں گنتا

ہے تو گھٹنے لگتا ہے۔
وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ مگر خود مجھسے حجاب میں ہے۔ اور یہ اسلئے کہ وہ انسانی سرشت سے واقف ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

عاصی۔ سلمانی۔ بی اے

"ایک رنگی سے"

میری تمام بیتابیوں کی تدبیر ایک رنگی ہے۔ تمناؤں کے اختلال انگیز ہجوم سے مفر کی راہ ایک رنگی ہے خلشی، تپش درد کرب بیچینی اور ان کی جلائے ممات ایک رنگی ہے ہیجان و تلاطم، شورش و طوفان کے نامتنا ہی سلسلہ سے سکون ملنے کی جگہ بس ایک رنگی ہے۔ شب انتظار کی انتہا کی امید بس باقی ہے۔ دل سے بے اختیار نکلنے والی آہوں، صبر و ضبط کے حصار کو شکست کرنے والی نظروں۔ ایمان و دین کی متاع لوٹنے والی نگاہوں۔ اور انکے ساتھ ہنسی کے ملائک فریب صحر آفریں تبسم سے گریز کی راہ اور پناہ کی جگہ ایک ہی دکھائی دیتی ہے۔ ہاں! میں نے سوچ لیا ہے کہ تجھسے نجات حاصل کرونگا۔ تجھسے خلاصی لونگا۔ تیری طرف نہ جاؤنگا۔ مگر کیوں! یہ الفاظ خود ادا ہوتے ہوتے کچھ رک رک کر نکلنے لگے۔

اچھا حضرت دل کہتے ہیں۔ کہ پھر ہی زندگی کی کیا تدبیر ہوگی۔ میری ورح

آزاد ہے۔ میری جان تمنا ہے۔ میری حرکت، میرا احساس، میری تمام دنیا ایک بے چینی ہے۔ ایک تڑپ ہے۔ میں ان سے بنا ہوں اور یہ مجھ سے لیکن۔ اے، سلطنت جسم کے مالک بادشاہ، دل، کیا تو استبدادیت ہی پر قایم رہے گا سُن اور غور سے سُن کہ تیرے اور ارکین تیری نہ ختم ہونے والی ہے فرمان فرمایوں سے تھک گئے ہیں۔ عاجز آگئے ہیں۔ تیری شور انگیز جنون خیز حرکات نے انھیں تھکا دیا ہے۔ اپنے ان لامتناہی کوشش کے بے سود سلسلوں کو محدود کر۔ طلب لاحاصل میں جان کاہی سے باز آ۔ کاوش نظر سے کام لے اسکے تصور میں جان ڈال اور اپنے آپ کو محو کر دے۔ اور اس قدر مٹا کہ مجھے تیرے ہونے۔ تیرے حرکت کرنے۔ اور تیرے ارتعاش ہائے پریشان کی بالکل خبر نہو۔ ورنہ تیری ان تمام خلجان آمیز پریشانی انگیز حرکات کی چارہ گری ایک رہگئی ہے۔ اور وہ یہ کہ میں تیرے احکامات سے سرتابی اختیار کروں۔ ترک موالات کروں۔ یا دوسرے الفاظ میں ترک آرزو

رہی ہے ایک ترکِ آرزو کی آرزو باقی
اسی پہ ختم ہے افسانۂ دردوالم سیسل

(چکبست لکھنوی)

عطرِ سخن

"گواہی"

بیدل آنجہانی — پاکدامانوں کو تہمت کا خطر کچھ بھی نہیں / دی ہے اک طفل نے یوسف کی گواہی کیسی

تمنا کاکوروی — ہوگی اعمال کی پرسش جو گنہگاروں سے / دیکھیں اعضای بدن دینگے گواہی کیسی

جلال لکھنوی — وہ تو آتے ہی نہیں مجکو تسلی دینے / بیقراری دئے جاتی ہے گواہی کیسی

جمال " — لیکے دل چھپ رہی دزدیدہ نگاہی کیسی / دی تری چشم سخن گو نے گواہی کیسی

داغ دہلوی — چاہتے ہو میری چاہت کا رقیبوں سے ثبوت / جب ہو مجرم کو خود اقرار گواہی کیسی

ظہیر " — شاہدوں میں مرے نام اپنا وہ سنکر بولے / جانتا بھی نہیں میں تمکو گواہی کیسی

" — آپ غیروں کو مرے عشق کا شاہد نہ بنائیں / جرم ہے خود مجھے اقبال گواہی کیسی

ریاض گورکھپوری — عمر بھر ساتھ فرشتوں نے نباہی کیسی / دیکھنا ہے کہ یہ دیتے ہیں گواہی کیسی

زیبا لکھنوی — نہ ہوئی آج بھی زیبا کو شہادت حاصل / تو نے دی تھی دل مضطر یہ گواہی کیسی

شوق بریلوی — حشر کے دن ہیں مخالف مرے اعضا رفیق / دیکھئے مجھپہ گذرتی ہے گواہی کیسی

صبر بھوپالی — مجرم عشق کو ملتی ہے سزا بے تحقیق / کس کی تصدیق وہاں اور گواہی کیسی

علیم لکھنوی — اونکو بھی ہوگیا معلوم کہ ہے عشق کی چوٹ / دیگیا درد جگر اوٹھ کے گواہی کیسی

عیش " — روبکاری میں یہ مشکل ہے الٰہی کیسی / دینگے اعضا مری محشر میں گواہی کیسی

نور صفدر گنجی — قتل کرکے تمہیں قاتل نے کب انکار کیا / ڈھونڈتے پھرتے ہو اے نور گواہی کیسی

(سغیر افضل گڈھوی)

غزلیات بر طرح

(حسن کی فوج میں دیکھے یہ زرہ پوش نئے)

(جناب حکیم تمیش احمد کیف قدوسی گنگوہی تلمیذ امیر الکلام حضرت غریب سہارنپوری)

ہیں نئی شیشے نئے ساغر و سرپوش نئے
آج میخانہ میں کیا آئے ہیں مے نوش نئے

کیوں خجل ہوتے ہو شیوہ ہے حسینوں کا یہی
تمہیں دنیا میں نہیں وعدہ فراموش نئے

اپنا دیوانہ بنا کر مجھے دی عقل سلیم
کر کے بیہوش و خرد اس نے دئے ہوش نئے

روز نو روز ہے ساقی ہے نیا بزم نو نئی
رند ہر سمت نظر آتے ہیں مدہوش نئے

چلتی رہتی ہے وہاں تیغ رواں آٹھ پہر
کوئے قاتل میں ہزاروں ہیں کفن پوش نئے

قیس و فرہاد کے قصہ میں مزہ کیا آئے
نہ یہ افسانہ نیا ہے نہ میرے گوش نئے

کچھ خبر بھی ہے تجھے کہتے ہے دنیا کیا کیا
دیکھتے ہے تیرے ہمراہ جو ہمدوش نئے

شیشہ و جام کو ساقی نے چھپا کر رکھا
دیکھا جب آئے ہیں کچھ رند بلا نوش نئے

جوش وحشت سے نہ تجھے پہلی ہے مجھکو فرصت

جب بہار آئی تو پیدا ہوئے کچھ جوش نئے
کوئی میخوار نیا آئیگا مہمان ہو کر ،،،،
کئیے ساقی نے جو سامان خور و نوش نئے
سنکے دعوائے وفا اوسنے کہا یوں ہنسکر
کیفؔ اک تم ہو زمانہ میں وفا کوش نئے

(جناب منشی محمد رضا صاحب غنچہؔ گرداور قانون گوئے دہرہ دون ۔۔۔۔۔)

کیوں نہ اوس ملک میں آغاز ہوں پھر جوش نئے
ہوئیں پیدا جہاں اب واسں نئے گھوشش نئے
پہلے گھر جتنے تھے سب ہوگئے نذر طوفاں
ابتو بنوانے پڑے گھر ہیں خس پوش نئے
دن کو میلوں میں پھریں رات کو تالے توڑیں
دیکھو جتنے نہ دیکھی ہوں یہ خوش پوش نئے
پہلے پکڑے ہوئے جتنے تھے وہ سب چھوڑ دیئے
لائے جنگل سے پکڑ کر ابھی خرگوش نئے
دیکھنے میں تو تہمتن ہو نہ لوٹے پاپسٹر
ایسے ہوتے ہیں زمانہ میں تن توش نئے
پہلے پگڑی سے تو صافہ ہوا صافہ سے کلاہ
کیسے فیشن کے چلے اب ہیں یہ سرپوش نئے
چرم کے جوتے تھے اب بن گئی لکڑی کے کھڑاؤں
چلگئے ہند میں گھر گھر یہی پاپوش نئے
دن پہ دن ہندو ں کی بھرمار ہے ٹکسو نکلے سوا

روز پڑتے ہیں سر و نیر بھی پاپوش نئے

حب وطنی پہ تو مدہوش پہ طاعت سے گریز
خوب سن لیتے ہیں مطلب کی یہ بیہوش نئے

بدلے آنچل کے رکھی ہاتھ ہیں چہرہ پہ حضور
دیکھئے سامنے بیٹھے ہیں یہ روپوش نئے

شدربھی شدہ ہوئے تازہ مصیبت آئی
اور گوروں کے یہ کالے ہوئے ہمدوش نئے

برجسوں میں ہیں لگے پشت پہ چرمی پیوند
کیسے چسپاں نظر آتے ہیں یہ زریں پوش نئے

دلمیں ہے یاد بتاں لب پہ ہے اللہ اللہ
حسن کی فوج میں دیکھو یہ زرہ پوش نئے

جسے دیکھو ہے رضاکار و نہیں یہ ہو خیرا
کیسے ہاتھ آئے ہیں اس فوج کو جانباز نئے

نوکری چھوڑ دو نخچو پھر و یہ ٹوپ ہ نئے
کہیں زاہد کہیں صوفی کہیں مے نوش نئے

(حضرت علی اثر)

کو پلیں پھوٹیں - بہار آئی - اٹھے جوش نئے
آج بلبل کے نظر آتے ہیں پھر ہوش نئے

جنبش لب سے کرے اخذ تکلم کوئی ٹو ٹو ٹو
گویا دنیا میں ہیں وہ ایک ہی خاموش نئے

او لب سے پینے کے عادی ہیں ازل سے ساقی

بھولتا کیوں ہے کہ کچھ ہم نہیں مینوش نئے
کیا رقیبوں کو بھی کچھ غم ہے میرے مرنیکا
میرے میت پہ ہیں یہ کون سیہ پوش نئے
ہے انوکھی کبھی تدبیر کبھی جوشش عشق
روز آتے ہیں یہاں ہوش نئے جوش نئے
اب تو سب نذر قفس صرف خزاں کر بیٹھے
فصل گل آئے تو کچھ آئیں ہمیں ہوش نئے
دیکھنے کو ترے جلوے۔ ترے سننے کو کلام
ولیں آنکھیں ہوں نئی ہوش کو ہوں گوش نئے
جان نثاران محبت کا کرے کون شمار
ہوتے رہتے ہیں ترے بزم میں بیہوش نئے
میرے ساقی کے ہیں کس درجہ پیارے انداز
کیا اوالعزمی ہے ساغر نئے مینوش نئے
اے اثر کیا ہے جو آزاد ئے دنیا رہی
گوشۂ قید ہے ملتے ہیں یہاں ہوش نئے

غزلیات غیر طرح

جناب منشی محمد برکت شیر خانصاحب ادیب میرٹھی مصنف یادرفتگان شاہد - شوخ - اڈیٹر اخبار ہمدرد قوم

کیا بہار جانفزا و دل کشا کلیر میں ہے
بلبلو نکے لب پہ ہو حق کی صدا کلیر میں ہے
آستاں بوسی کو آؤ سر کے بل آنکھو نکے بل
نقش خاکِ پائے صابر جا بجا کلیر میں ہے

اللہ اللہ ایک عالم ہو رہا ہے مشکیو
عطر گلزار فرید الدین لبھا کلیر میں ہے

نعرۂ اللہ ہو سے وجد میں ہیں اہل حال
رقص بسمل کا تماشا جا بجا کلیر میں ہے

تو گرفتاروں کو اپنے مست کر دے ساقیا
مے پرانی ہے پرانا میکدا کلیر میں ہے

خشک لب طالب بھی ہیں ساقی دریادل بھی ہے
میکشو پینے۔ پلانے کا مزا کلیر میں ہے

شمع رخ پردے میں رکھو جلوہ آرا ہو تم
لاکھوں پروانوں کا ہنگامہ بنا کلیر میں ہے

آئیں بیمار محبت شوق سے چلکر ادیب
مرہم زخم جگر دل کی دوا کلیر میں ہے

(جناب ابن الادیب محمود شیر خاں طبیب میرٹھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔)

سب نے چپ چپ کہدیا جب میں نے کچھ فریاد کی
حشر میں بھی چل رہی ہے اس ستم ایجاد کی

اس خطا پر تیز ہوتی ہے چھری صیاد کی
کیوں قفس میں رہکے بلبل نے گلوں کی یاد کی

لاکھ ہم پر ظلم ڈھائے ہر طرح بیداد کی
پھر بھی الفت ان سے کہکر ہر چہ بادا باد کی

دھجیاں اڑ جائینگی چرخ ستم ایجاد کی
جھکے تھوڑی دیر بھی ہم نے اگر فریاد کی

بال و پر میں آ چلی ہے طاقتِ پرواز پھر
پھر کڑی نظریں قفس پر پڑتی ہیں صیاد کی

دیکھ مٹ جائیگا دنیا سے وفاداری کا نام
تو نے بھولے سے اگر مٹی مری برباد کی

نزع میں مشتاق آنکھیں در کی جانب بھی ہیں
مرتے مرتے بھولنے والے کی ہے اپنے یاد کی

قتل کرتے کرتے مجھکو ہاتھ اٹھایا قتل سے
یہ ستمگر نے نئی بیداد پر بیداد کی

او ستمگر تجھکو دل دیکر اٹھائے سو ستم
ایک حسرت بھی نہ نکلی عاشق ناشاد کی

تھا ستم کے ساتھ لطفِ دید بھی ہمکو نصیب
شوق آسائش سے اب مہلت کہاں بیداد کی

شکوہ سنجی کا مزا بھی ضعف نے سب کھو دیا
آ گیا غش میں نے جب دل تھا مگر فریاد کی

تو نہیں تو تیغ ہی تیری گلے سے مل گئی
آرزو نکلی کسی پہلو دل ناشاد کی

چاہ کر دادِ ستم خود ہو گئے مجرم طبیب
داورِ محشر سے ابھی آپنے فریاد کی

(جناب مرزا نظام الحسن صاحب قابل مرادآبادی)

مدد کر اے کرم میں زیر بار جرم عصیاں ہوں
بھروسہ ذات پہ ہے بس اسی کوشش پہ نازاں ہوں

نہیں کوئی تمنا اسقدر بے ساز و ساماں ہوں
اگر ہوں بھی تو میں نکلا ہوا ہر دل کا ارماں ہوں

کیا ہے سر کو صدقے تیری شمشیر عنایت پر
نہیں جب تن پہ سر پھر کسطرح سر در گریباں ہوں

عطا کر مجھکو جنت یا جہنم کی سزا دیدے
یہاں بھی تیرا مہماں ہوں وہاں بھی تیرا مہماں ہوں

بنایا ہے تحیر نے تیرے آئینہ حیرت
تعجب کر رہا ہوں اپنی حیرانی پہ حیراں ہوں

میرے جذبات سے پیدا حقیقت کی حقیقت ہے
کہیں تفسیر علم معنیٔ آیات قرآں ہوں

یہ کہتا ہے میرا ہر زخم دل جوش مسرت سے
کبھی شور نمکداں ہوں کبھی گلہائے خنداں ہوں

بھلا پیر فلک تکلیف دینے سے نتیجہ کیا
کہ اس مہماں سرا میں دو گھڑی کا میں بھی مہماں ہوں

خدا کی بندگی دشوار ہے ممکن نہیں قابل
تو پھر کس منہ سے کہدوں میں مسلماں ہوں مسلماں ہوں

ریویو

معراج الکلام - انجمن معراج الادب امروہہ کے زیر نگرانی جناب محمد فیاض علی خاں صاحب فیاض کی ادارت میں ہر مہینے امروہہ سے شایع ہوتا ہے طرحی کلام عمدہ و منتخب درج ہوتا ہے - سخن گو و سخن فہم حضرات معراج الکلام کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوں - قیمت سالانہ عہ ، نمونہ مفت

اس پتہ پر طلب فرمایئے

اڈیٹر و پبلشر - رسالہ معراج الکلام امروہہ

کشاف - یہ عجیب و غریب رسالہ جناب ایم محمد الدین صاحب غریب کی ادارت میں ہر مہینے امرتسر سے شایع ہوتا ہے - کشاف علاوہ ادبی مضامین پیش کرنے کے - رموز - جفر - رمل - کیمیا - وغیرہ کا کشاف ہے - اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ہے - شائقین علم ادب و طالبان علوم مرعوزہ و مکنونہ کیلئے نایاب تحفہ ہے - باوجود خوبیوں کے قیمت صرف عہ سالانہ ہے

مینجر کشاف امرتسر (پنجاب) سے طلب فرمایئے

اطلاع

غذی روح مین جو مولانا دبیر صاحب ملک الشعراء ایران کے کسی شاگرد رشید نے کمتر کی نسبت حال تلمیذ کی تحریر شائع کرائی ہے وہ قابل شکریہ ہے لیکن نیازمند کو نہایت تعجب ہے کہ کس صلہ مین یہ لقب عطا فرمایا گیا - آئندہ ایسی تکلیف کی زحمت گوارا نہ فرمادین - نیازمند عبد الواحد - واحد - شاگرد حضرت تسنیم مرحوم سہارنپوری

(از جناب مولانا مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی

اُفق پہ روحِ حق کے جلوہ اپنا — دکھائے کاش آفتاب اپنے
دلوں کو تاریک کر رہا ہے — نظر سے مبہم حجاب تیرا
بکس رہی ہیں چمن میں کلیاں — لرز رہے ہیں فلک پہ تارے
کسی نے دیکھا نہ تھا ابھی تک — یہ جلوہ بے نقاب تیرا
لگا نہ یوں خنجر تغافل — کہ خوں میں لوٹ جائے بلبل
اگرچہ پھولوں سے کھیلتا ہے — چمن میں رنگ شباب تیرا
نہ میری کشتی کو چھو سکے گا — یہ تیرے قہر و غضب کا طوفان
کہو سمندر کی موج سے تم — عبث ہے یہ اضطراب تیرا
بھر لگا آنکھوں میں نور انجم — یہ تیرے لطف و کرم کا جلوہ
کریگا جاری لہو کے دریا — دلوں میں جوش عتاب تیرا
یقین ہے ساقی کہ آسماں تک — بپا ہو شعلوں کا ایک طوفان
زمیں میخانہ پر گرے گر — چھلک کے جام شراب تیرا
بہشت دیدار کا پتا دے — اگرچہ دوزخ سے ہو گزر
نہ ہے مبارک یہ تجھکو واعظ — عذاب تیرا، ثواب تیرا
بدل نہ ہستی کو اپنی اے دل — قریب عشق بتاں میں آ کر
کریگا دنیا و دیں کو تلپٹ — یہ جذبۂ انقلاب تیرا
سمجھتا ہے دل کی سوزشوں میں — تو اے سلیم اپنی راحت جاں
ہے صاعقہ تیرے سر کا تکیہ — جحیم ہے فرش خواب تیرا

"عرب کا عشق"

از جناب محمد آفاق قریشی صاحب سیکروڈی متعلم دارالعلوم دیوبند

گذشتہ سے پیوستہ

اور بعض حکما اور علمیوں کا قول یہ ہے کہ ان فاسد المزاج غلیظ اور کمینوں کو عشق پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ متنبی نے ایک شعر میں کہا ہے

وعذلت اہل العشق حتی ذقتہ　　فعجبت کیف یموت من لا یعشق

(ترجمہ) پہلے تو میں عاشقوں کی مذمت اور برائی کرتا تھا۔ بالآخر خود بھی عشق کے ذوق سے آگاہ ہوگیا۔ اب میں متعجب ہوں کہ جو لوگ عاشق نہیں وہ کیونکر مرتے ہیں (انتہی) کتاب مجمع السلوک میں لکھتے ہیں کہ محبت کی ابتدا موافقت سے ہوتی ہے۔ اس سے سبقت کر کے میلان طبیعت تک نوبت پہونچتی ہے۔ اور اس سے زاید موانست تک اور اس سے گریز کر کے مودت پھر ہوی پھر قلت پھر شغف پھر تیم پھر ولا ہوا اسکے بعد عشق کا درجہ ہے مطلب اسکا یہ ہے کہ محبت اور الفت میں تدریجاً عروج اور ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عشق سر پر سوار ہو جاتے ہیں اور اسی کی کلیات میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ حب کی پہلی منزل ہوتی ہے۔ اسکے بعد علاقہ اور آگے چل کر کلف پھر عشق پھر شغف اور لوعہ اور لاعج اور اسکے بعد تیم اسکے بعد تبل اسکے بعد ولہ

اور آخری مرتبہ پیام ہے۔ عرب کے بڑے بڑے نامی گرامی قبایل گذرے ہیں۔ مگر عشق مجازی کا سہرا قبیلہ بنی عذرہ کے سر پہ رہا۔ یہاں تک یہ قبیلہ ضرب المثل ہو گیا تھا۔ عشق من بنی عذرا کی مثل مشہور و معروف ہے۔ مگر ان کا عشق ہمیشہ خلوص نیت اور نیک طینت ہوتا تھا۔ کیونکہ عشق و حسن کی ابتدا اور آغاز پاک محبت سے ہوتی ہے۔ انکو عرب ہوئی عذری (یعنی عشق بنی عذرا) کہتے تھے۔ چنانچہ فارس کا قول خود اسکی سند میں موجود ہے۔

یا لائمی فی الھوی العذری معذرة منی الیک فلو انصفت لم تلم

ترجمہ۔ اے میرے ملامت کرنے والے اے بنی عذرہ کے ایسے عشق میں میں تجھے معذرت کرتا ہوں۔ کہ اگر تو انصاف کرتا تو کبھی ملامت نکرتا مشہور ہے۔ کہ اہل عذری جب کسی سے محبت کرتے تھے۔ یا کسی کے زلف پیچاں میں اسکا دل الجھ جایا کرتا تھا۔ اور جبکہ ان کا ننھا سا دل اسکے حسن کا شکار ہو جایا کرتا تھا۔ تو یہ اپنی زندگی کو محبوب پہ پروان اور قربان کر دیتے تھے (بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل کمزور اور ناتواں تھے۔ وہ ناز و نعم کے پلے ہوئے دل تھے۔ کہ کسی کی کڑھیں کی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ تو بیمار ہو کر اپنی عزیز جان کو ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ یہ تھا عرب کا عشق کہ جو اپنے زبان کے پکے اور بات کے دھنی تھے۔ جو خیال میں سما گیا۔ پھر کہاں نکل سکتا تھا۔ اگر جان جائے تو یہ خیال الگ ہو ورنہ نہیں۔ انہیں میں سے ثبتیہ عذریہ بنت عبد اللہ ہے۔ جو جمیل ابن معمر عذریہ کی مشہور الیہ تھی اور عفرا عذریہ بنت مالک عروۃ بن حزام کی بیوی تھی۔ انکے

عشق کے بابت ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اذا ما نجا العذری من میتۃ الہوی — فلا و رب العاشقین دخیل

(ترجمہ اہلِ عذرہ میں سے جو شخص کسی پر عاشق ہوا اور پھر زندہ رہ جائے تو عاشقوں کے پروردگار کی قسم وہ کبھی خالص عذری نہیں بلکہ دخیل ہے) ایک اعرابی سے کسی نے دریافت کیا تو کس خاندان اور کس قبیلہ کا شخص ہے۔ اور کس قوم کا نوجوان ہے۔ اس نے جواب میں یہ لفظ کہے۔ کہ میں ایسے قبیلہ سے ہوں۔ کہ جب انکو کسی کا عشق ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی زندگی ایسے مصائب میں ڈالدیتے ہیں جو قوت بشری سے باہر ہیں۔ اور ان پر کلفتوں کے وہ پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ کہ عقل متحیر رہ جاتی ہے۔ آخر یہاں تک نوبت پہونچتی ہے۔ کہ وہ اپنی ہستی کو دریائے عشق میں غرق کرکے فنا کر دیتے ہیں۔ اس کلام کو جو ایک اعرابی کے زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ ایک نو عمر لڑکی نے بھی اپنے کان اسکی گفتگو پر لگا رکھے تھے۔ بیساختہ یہ کہہ اٹھی۔ عذری ورب کعبہ۔ ترجمہ (رب کعبہ کی قسم تو ضرور عذری ہے) ایک مرتبہ جمیل مذکور الصدر کے ہمراہ ایک روز ایک شخص جو اپنے کو قبیلہ عذری سے بتاتا تھا اور اس کا دعوے تھا کہ میں خاندان موصوف سے ہوں اور اپنے عاشق ہونے کا حامی تھا۔ مگر فربہ جسیم اور توانا شخص تھا اسوقت جمیل نے یہ شعر پڑھے ؎

وقل دانی من زہدہا ان ذہدما — یشل علی خبزی و یبکی علی عملی

فلو کنت عذری العلاقة لم تکن سمینا وان ساک الهوی کثیرا کل

(ترجمہ) مجھے زہدم کی بابت شک پیدا ہوا کیونکہ زہدم میری روٹی پر بڑے زور سے دوڑتا ہے۔ اور عمل پر روتا ہے اے شخص اگر تو عذری علاقہ سے ہوتا تو کبھی موٹا تازہ نہوتا۔ اور عشق تیری ساری پرخوری تجھے بھلا دیتا)

عرب کا عام خیال تھا۔ اور یہ بات ان کے ذہن نشین تھی کہ جسکو نقش کا الحجر کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ کہ اگر عورت اور مرد ایک دوسرے کے متوالے اور شیدا ہو جائیں تو ان کا ایک یہ فعل ہوا کرتا تھا کہ تا وقتیکہ محبوبہ کے فراق میں مرد اپنے روا کو چاک نہ کر دے اور عورت اپنے برقعہ کو نہ پھاڑ دے تو وہ محبت و الفت بگڑ جاتی ہے جیسا کہ عبد ابن حاس نے کہا ہے سے

وکم قبل شققنا من رداء مبنز ومن برقع عن ناظر غیر ناعس

اذا شق برد نیط بالبرد برقع علی ذاک حتی کلنا غیر لابس

(ترجمہ) ہم دونوں عاشق معشوق نے ردا اور برقع کو دن دہاڑے سبکے سامنے چاک کر ڈالا۔ جب ردا چاک کر ڈالی گئی تو اسکے ساتھ برقع پھاڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں کے جسموں پر کپڑا باقی نہ رہا۔ ان دونوں بیت کو زوزنی نے اس طریقہ پر لکھا ہے سے

وکم قد شققنا من رداء محبر ومن برقع عن طفلة غیر عانس

اذا شق برد شق بالبرد برقع من الحب حتی کلنا غیر لابس

(ترجمہ) ہم دونوں نے اپنی منقش چادر اور برقع چاک کر ڈالے ایک ایسی لڑکی پر سے جو ابھی پوری جوان نہوئی تھی۔ جب چادر

بھٹی تو اسکے ساتھ عشق کے سبب سے برقع میں چاک ہوا۔ یہاں تک
کہ ہم دونوں کے پاس لباس نہ رہا)
عرب کا ایک مشہور و معروف مقولہ ہے۔ ردا فاذخلت ارض الحعیب
فھرول (ترجمہ) جب حعیب کی زمین پہ پہونچو تو دوڑ جاؤ تاکہ وہاں
کی عورتیں تمکو عاشق نہ بنالیں۔ حعیب یہ ایک جگہ ہے۔ جو یمن
کے قریب میں واقع ہوا ہے۔ اور یہ ایک موضع ہے۔ وہاں کی
عورتیں بڑی جمال ہوتی ہیں۔ اور خوبصورتی میں اپنا ثانی نہیں
رکھتی۔ مگر زمانہ جاہلیت کا ایک مقولہ چلا آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصوا
یہ ہے۔ عرب کا عشق جسکا خاکہ اور فوٹو آپ کے سامنے محض
اجمالاً اور مختصر اکھینچا گیا ہے۔ اب دیکھئے اور غور کرنے کی بات
یہ ہے کہ ان کا عشق اس درجہ بڑھا ہوا تھا۔ مگر ان کے خیالات
کیسی درجہ پاکیزہ تھے۔ کبھی بھول کر بھی انکے دل میں بدی کا خیال
نہ آتا تھا۔ حالانکہ بنی عذرہ قبیلہ ایسا تھا کہ عشق میں اپنی جان کو
ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ تاوقتیکہ انکی وہ رسم جسکو اہل عرب خیال
کرتے تھے پوری نہ ہو جائے۔ اسوقت تک عورت کے قریب نہ ہوتے تھے
اور آج کل ہندوستان کی حالت واقعی قابل رحم ہے۔ کہ انکے
قلوب میں ایسے ایسے ناپاک خیال آتے ہیں۔ کہ جن کو صفحہ قرطاس
پر لکھتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ خدا ہماری حالتوں پر
اپنا رحم فرما کر صراط مستقیم کی ہدایت فرمائے۔ آمین

والسلام

تجلی

جلوہ گاہ رخ او دیدہ من تنہا نیست ماہ و خورشید ہمیں آئینہ میگردانند

تجلی کے لغوی معنی روشنی ہیں۔ ہر قسم کی روشنی اس دائرہ میں آسکتی ہے۔ مگر میں ناظرین کے روبرو اپنا وہ مفہوم جو اسوقت میرے دماغ میں گونج رہا ہے۔ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا منشاء و مقصد یہاں تجلی سے وہ نور اقدس ہے۔ جو نور ربانی کہلائے جانے کا مستحق اور جو تمام انوار سے زیادہ منور ہے۔ اور جسکی پرتو سے نیر اعظم روشن اسکی جھلک سے کندن میں دمک ہے۔ اور سچ تو یوں ہے کہ اس ہی نور سے کی ضو یا جمال ہے ذرہ ذرہ خاک اور تمام ہی عالم تشریف ہے

وہ ہے نور جسکی جلا کندنی ہے

وہی شمع ہے جسکی یہ روشنی ہے

اگر ہماری چشم بصیرت انسانی خیالات کی انتہائی بلندی پہ پہونچ جاوے تو ہمارے دیدہ تخیل کے سامنے زمین و آسمان کے پردہ اٹھ جائینگے اور ہم دیکھیں گے کہ بزم انجم و کواکب پروانہ کے سوز و ساز پہاڑی چٹانوں کی برقی فوجیں اور دانہ گوہر کی آب میں اس تجلی کے شعلے و شرارے اٹھ رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔ اگر اس جلوہ نے کوہ طور کو متبرک و دل موسیٰ کو اپنی تجلیوں سے روشن کیا تو کہیں اس نور کے بقا حسن یوسف میں ملاحت اور زلیخا کے دل میں چبھن پیدا کی۔

ہم اگر تاریخ قدیمہ کے اوراق الٹ پھیر کر ڈالیں تو دیکھینگے کہ نور ایزدی نے وقتاً فوقتاً کہیں کہیں اپنا اظہار کیا۔ ذرا نظر غایر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ ازل میں تمامی مخلوق کے خلق سے قبل ایک اشرف العیان ہستی کا نور اسی ہی نور سے پیدا کیا گیا جو اپنے زمانہ میں مشعل دین ہوئی۔ اور جس شمع کے ضیاء سے عالم کی تاریکی دور ہوئی۔ موسی و طور و ید بیضا کا چرچا تو تمام زمانہ میں ہے ہی مگر اسمیں جلوہ حقیقی کی وہ تاب و طاقت اور وہ ظہور شور تھا جسکا خیال باندھنے سے طائر تخیلہ کے پر جلتے ہیں۔

کلیمی کرچہ شخ فلک طور از وست   ہمہ نور ہا پرتو نور اوست

آپکے ظہور باجود سے تمام عالم بقصہ نور بن گیا۔ اور ذرہ ذرہ مشارق الانوار۔ ہر پتہ پتہ نور محمدی سے قدرت پروردگار بن گیا

کیا شان احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

جیسا میرے شعر مذکور الصدر سے واضح ہے اسکے فیض عمیم سے صرف انسان ہی پر جلوہ حقیقی کے اظہار کا انحصار نہیں۔ بلکہ اسکا دائرہ نہایت وسیع اور ہر ذرہ ظہور خداوندی کا شاہد ہے وہ اہل بصر کے لئے معارف سے کم نہیں۔ ہر شے اسکی منفعت سے خالی نہیں پس یہ شمع تجلی بھی اسی ہی حصہ میں ہے۔ کوہ سینہ و موسی کے واقعہ کا بہتر و انسب مرقع ہے۔ حقائق و نکات کا بہتر مخزن ہے۔ اور کیوں نہ ہو اسکے اہل نگار ذوق صحیح اور دل دردمند رکھتے ہیں۔ انکی نگاہیں ہمہ گیر ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ

"شمع تجلی" کے عواطف عوارف سے دریافت کیجئے۔ پس جس کسی کو جلوہ یار دیکھنا ہے "شمع تجلی" سامنے رکھ کر دیدہ دل سے دیکھے

دیکھ اگر دیکھنا ہے ذوق کہ وہ پردہ نشیں
دیدہ لا زن دل سے ہے دکھائی دیتا

(جمیل امروہی)

شب ہجران

(از جناب نور احمد صاحب اعزاز بریلوی از دہرہ دون)

روز میرا سیاہ کر ڈالا
شب ہجراں تباہ کر ڈالا

اُف کس منحوس کا نام زبان پر کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آہ یہی وہ ظالم ہے کہ جس نے قیس دعامر کو اپنی جلتی ہوئی گھاتوں۔ میٹھی میٹھی باتوں نے بیابان عامر کی سیر کرائی۔ یہی وہ شیریں اور معشوق کہ جس نے اپنی چشم فسون ساز سے کوہکن کا چشم زدن میں کام تمام کر دیا۔ آہ یہی کمبخت فتنہ پرداز تفرقہ انداز ہے۔ کہ جس کے ہاتھوں وامق عذرا ناشاد و نامراد اس جلوہ گاہ ناز سے راہی ملک بقا ہوئے۔ یہی وہ زہرہ جبین ہے کہ جس کے چاہ ذقن میں ہاروت و ماروت جیسے فرشتے پھنسکر چاہ بابل میں الٹے لٹکائے گئے۔ کاش اسکو بھی شب ہجراں نصیب ہوئی ہوتی تو اوسکو قدر عافیت معلوم ہوتی۔ بقولیکہ۔ قدر عافیت

کسے داند۔ کہ مصیبتے گرفتار آید۔ ہاں ہاں۔ اے شب ہجراں تو ہی وہ جفا جو ستم کیش ہے کہ اسوقت مجھ جیسے رنجور و دلفگار کے دل مضطر کو کسی کی زلف پریشاں کیطرح پریشان کر دیا ہے۔

اسوقت رات کے بارہ بجے ہیں۔ شب دیجور کا شباب کسی مست نازک جوبن کی طرح شباب پر ہے۔ رات کی اندھیاری میں ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا۔ جسکی وجہ سے در و دیوار میں ایک سناٹا معلوم ہوتا ہے۔ اسی موقعہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی نے کہا ہے

ذرا شام ہولے تو ہم رنگ لائیں
اندھیرے میں لوٹیں گے جوبن کسیکا

البتہ کبھی کبھی کسی جانب سے کسی چوکیدار کی آواز آجاتی ہے۔ جو بعض خفتہ بختوں کو چونکا دیتی ہے۔ راہ زن۔ بٹ مار۔ چور اور ڈاکو اپنے اپنے حوصلے اور ارادے پورے کرنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے ہیں۔ زہاد شب زندہ دل بھی اسوقت خواب راحت سے چونک اٹھتے ہیں اور جانب مسجد یا گوشۂ تنہائی راہی ہوتے ہیں ستارے اپنی جھلملی روشنی سے راہگیروں کو جو اسوقت کمر بستہ امادہ سفر ہیں راہنمائی کر رہے ہیں۔ آہ۔ اسوقت یہ کس کے کراہنے کی آواز آئی۔ کہیں کسی قزاق ظالم نے کسی بیگناہ کا خون تو نہیں کر دیا۔ نہیں نہیں۔ دیکھنا وہ سامنے والی عمارت کی ایک دریچی میں کچھ روشنی معلوم ہوتی ہے۔ اے لو۔ کسی نے کھڑکی سے سر بھی نکالا۔ آہ۔ اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی میری ہی طرح ظالم شب ہجراں ہی کی ترچھی ادا کا گھائل ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے

تو چلو ایک سے دو بھلے کچھ اپنی غمزدہ طبیعت بھی بہل جائیگی اور اسکی بھی تسلی ہوگی ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گذریگی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو

کچھ اپنا حال دل کہینگے اور کچھ اسکی داستان غم سنینگے ؎

اے عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

قریب پہنچکر۔ السلام علیکم۔ نوجوان چونک کر۔ الہٰی خیر۔ اس وقت ایسی تاریک شب میں یہ کون۔ کہیں کوئی راہزن نہو۔ مگر جب میں اپنی جان کو ہتیلی پر لئے بیٹھا ہوں تو مجکو کسیکا کیا کھٹکا اچھا ہے کہ کوئی مجھ بیکس ہجراں نصیب کا کام تمام کردے۔ کہ شب ہجراں کی مصیبتوں سے اماں پاؤں اور حرام موت سے بھی بچ جاؤں ؎

چھٹ گئے آفات سے اور مرگئے فرہاد و قیس کیا انہیں دونوں کے حصہ میں قضا تھی میں تنہا

آہ او فلک کج رفتار۔ اور آہ۔ اے گردش ایام کہاں یہ صحرائے پر خار اور کہاں ہم مضطر و دلفگار کہاں یہ اندھیری رات۔ اور کہاں ہم مبتلائے آفات ؎

آہ یہی ہم ہیں کہ مثل خار افتادہ ہیں صحرا میں
یہی ہم ہیں کہ مثل گل تھی زینت ہم سے گلشن کو

اُف اُف۔ او ظالم بے رحم۔ تیری عنایتوں اور مہربانیوں کی بدولت اپنے بیگانوں سے منہ کو موڑا۔ تمام عیش و آرام کو خیرباد کہکر اس ویرانہ کو آباد کیا۔ شہر چھوڑا لیکن تو ہے کہ بے لحاظ۔ ہر وقت ہر ساعت

ہردم خوابیں ۔ بیداری میں ۔ غفلت میں ۔ ہوشیاری میں کسی حالت میں چین ہی نہیں لینے دیتا ؂

متاع ہوش لیکر بھی نہ آیا صبر ہزنکو
ہماری جان وصل کی پڑ گئی اس جان کے دشمنکو

آہ ۔ اے سوز عشق جلا ڈالا ۔ ہائے کیسکی تیغ ابرو نے مار ڈالا

مارا ہے جلایا ہے دُہائی ہے خدا کی
برچھی سی نگہ نے تری بجلی سی ادا نے

یہ اشعار اور یہ جملے کچھ ایسے پُردرد لہجہ اور دل ہلا دینے والے طرز میں اسکے منہ سے نکلے کہ دل تڑپ گیا ۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور نہایت بیتابانہ اور جوش کے ساتھ میں نے کہا کہ صاحب ۔ خدا را زیادہ نہ تڑپائیے ۔ مجھ میں اب صبر کی طاقت اور ضبط کا یارا نہیں ہے ۔ اگر اجازت ہو تو اور بار خاطر اور طبع نازک پر کچھ ملال بھی نہو تو حاضر خدمت ہوں ۔ چونکہ آپکا حال ایک سربستہ راز ہے ۔ جو سمجھ میں نہیں آتا اگر کچھ مضائقہ نہ سمجھئے تو اس احقر کو اپنے احوال پر ملال سے مطلع فرمائیے ۔ تاحد امکان غمخواری اور ہمدردی میں دریغ نہ کرونگا ۔ اور اگر میری جان بھی آپ کے کام آجائے تو اسکی بھی پروا نہیں ۔ نوجوان ۔ ایک پردرد لہجہ میں

کون مرتا ہے کسی کے واسطے
ہیں یہ سارے جیتے جی کیواسطے

میرے نادیدہ مشتاق و ہمدرد قبل اس کے کہ میں آپ کے آنو بھیرے حال پریشاں سے واقف ہوں ۔ میں آپکی اس جوش و ہمدردی و

جان نثاری کا تہ دل سے ممنوں ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ

کلیجہ تھام لوگے جب سنوگے
نہ سنواے اللہ شیون کسیکا

اچھا آپ اس زینہ سے اوپر تشریف لے آئیں

میں۔ بے تکلف زینہ پر سے گذرتا ہوا اوپر پہونچا۔ نوجوان دیکھتے ہی سرو قد تعظیم کو کھڑا ہوگیا۔ بعد رسم مزاج پرسی ادہر ادہر کی گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن اسکی گفتگو کا ہر ہر لفظ درد سے بھرا ہوا ہر ایک فقرہ آہِ سرد کا پہلو لئے ہوئے تہا اور یہ ثابت کررہا تھا سہ

جگر میں چٹکیاں لیتی ہے ہر طرز فغاں میری
کہاں سے لائیگی بلبل دہن میرا زباں میری

(باقی آیندہ)

علم عروض

عروض۔ بفتح عین وضم رائے مہلہ اصطلاح شعراء میں اوس علم کو کہتے ہیں جسکے جاننے سے وزن مقررہ بحرونکا دریافت کیا جاتا ہے۔ اور شائقین فن کو اس علم کے جاننے کی اگرچہ وہ کیسے ہی موزون الطبع کیوں نہوں۔ بیحد ضرورت ہے۔ کیونکہ ایسا شخص جو اپنی موزون الطبع ہونیکے باعث شعر کہنے پر ملکہ رکھتا ہو اور اکثر اوقات شعر موزوں بھی کہتا ہو لیکن وہ علم عروض اور اوزان بحور اور تغیرات سے واقف نہو شاعر کہلانیکا مستحق نہیں ہوسکتا۔

شعر کی تعریف۔ شعر بکسر شین معجمہ وسکون عین اوس موزوں اور مقفی کلام کو کہتے ہیں۔ جسکو کہنے والے نے بالا ارادہ کہا ہو۔ شعر گوئی کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی۔ اسکا تذکرہ عروض کی کتابوں نیں بکثرت ہے لہذا اعادہ اوسکا تحصیل حاصل ہے۔ شعر کہنے کیلئے علم کی سخت ضرورت ہے۔ مگر معمولی علم والے بھی اگر چاہیں تو شعر کہہ سکتے ہیں اور جنکو علم پر اچھا عبور ہے۔ اونکو زیادہ مشکلوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اسواسطے شاعری سیکھنے اور اچھا شاعر بننے کے واسطے علم کا حاصل کرنا ضروری بلکہ بیحد ضروری ہے۔ کلام شاعر جوکہ اوسنے بالا رادہ کہا ہو اونکی دو قسمیں ہیں۔ نثر۔ اور نظم۔

نظم کے معنے لغت میں سنوارنا یا موتی پرونا ہیں۔ اور چونکہ شاعر اپنے کلام کو لفظوں کے موتیوں سے مزین اور آراستہ کرتا ہے اسواسطے اصطلاح شعراء میں نظم کلام موزوں کو کہا گیا ہے۔

نظم کی قسمیں دس ہیں۔ غزل ۱ رباعی ۲ قصیدہ ۳ قطعہ ۴ فرد ۵ مثنوی ۶ ترکیب بند ۷ ترجیع بند ۸ مستزاد ۹ مسمط ۱۰۔

غزل۔ بفتحتین وسکون لام لغوی معنے ہیں عورتوں سے باتیں کرنا۔ حسن وجمال کے تذکرے۔ دیوانگی اور وحشت کے پہلو یاس و امید کے خیال خزاں وبہار اور شادی وغمی کے مضمون تحریر میں لائی جاویں۔ غزل میں کم از کم ۷ شعر اور زیادہ سے زیادہ ۲۹ شعر ہوتے ہیں۔ اور انکی تعداد اشعار ہمیشہ طاق ہوتی ہے۔

غزل کے ہر پہلے شعر کو جسکے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے مطلع کہتے ہیں۔ اور زیب مطلع اوس شعر کا نام ہے۔ جو مطلع کے بعد واقع ہوا ہو خواہ وہ مطلع کے مانند ہم قافیہ ہو یا نہو غزل

کا سبب ہے آخری شعر جسمیں شاعر اپنا نام ظاہر کرتا ہے۔ مقطع کہلاتا ہے۔ تخلص اگر مطلع میں بھی آجاوے تو جائز ہے۔ مثال کے طریقہ پر چند اشعار مولانا راسخ دہلوی مرحوم کے درج ذیل ہیں

سوز ہائے پنہاں المدد و داغ تمنا جل اٹھا　　دل کا چھالا صورت قندیل کعبا جل اٹھا
میری آہ ہو لینے لگی ہر ایک خشک و تر میں آگ　　موج دریا جل اٹھی دامان صحرا جل اٹھا
سوز ہجراں کو الٰہی آگ لگ جائے کہیں　　بجھ گیا دل بھن گیا پہلو کلیجا جل اٹھا
کتنے مہدی ملکے دہکے ہیں الٰہی ہاتھ یار　　بھن گئیں سب مچھلیاں پانی میں دریا جل اٹھا
نکلے راسخ مجھسے اونکی قامت موزوں کا وصف　　سرو گلشن میں پھپکا جنت میں طوبا جل اٹھا

غرض اور ہزار ہا مثالیں موجود ہیں اور اساتذہ کے دیوان غزلوں سے لبریز ہیں۔

دوسری قسم رباعی ہے۔ رباعی وہ نظم ہے جسکے چار مصرعہ مقررہ وزن کے ہوں پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو۔ اور تیسرے مصرعہ میں کوئی قافیہ نہو اور رباعی کا چوتھا مصرعہ ہمیشہ اول کے تینوں مصرعوں سے مناسبت لئے ہوئے ہو۔ اور اول کے تینوں مصرعوں سے اچھا ہو غزل کیطرح رباعی ہر وزن میں نہیں کہی جاسکتی۔ اسلئے خاص اوزان اوسکے لئے مقرر ہیں۔ (باقی آئندہ)

(سید افضل گڈھوی)

عرضداشت

براہ کرم مضمون نگار اپنے مضامین صاف اور خوشخط صرف کاغذ کے ایک طرف لکھا کریں۔ تاکتابت میں آسانی ہو اور غلطیوں سے رسالہ محفوظ رہے۔ (اڈیٹر)

۴۸۶

باغبان

(از قلم جمیل امروہی)

آگرہ سے کچھ دور کے فاصلہ پر فتح پور سیکری ہے۔ آج سے ڈیڑھ سو برس ہوئے کہ یہاں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اسکا نام اختر تھا۔ اختر کوئی بڑا تجار نہ تھا بلکہ وہ کچھ مال لیکر ادہر اُدہر پھیرکر فروخت کرتا تھا اختر گو غریب تھا۔ پر نہایت دل چلا تھا۔ اور اپنی پری پیکر شمال حور بیوی جمیلہ کا سچا دلدادہ تھا۔ جمیلہ بھی اختر کی سچی عاشق تھی وہ علاوہ شوہر پرست ہونے کے اپنی شوہر کی ہر طرحکی دلجوئی کرتی تھی۔ روز صبح سویرے اٹھتی اور اپنے شوہر کے لئے کھانا تیار کرتی کیونکہ اختر روزانہ صبح اپنے گھر سے جمنا پار جاتا اور مال فروخت کرکے شام کو واپس آجاتا تھا۔

حسب معمول ایک صبح کو جب اختر دریائے جمنا میں کشتی میں بیٹھا پار جا رہا تھا کہ یکایک باد مخالف چلی کشتی بھنور میں آگئی اور ڈوبنے لگی۔ ملاح نے کشتی کو بھنور سے نکا لنے میں بہت کوشش کی۔ مگر کچھ کارگر نہ ہوئی اور کشتی ڈوب ہی گئی۔ خدا جانے کشتی کے اور آدمی کہاں گئے۔ مگر اختر جو کہ بچپن ہی سے تیرنے میں ماہر تھا سنبھلا اور تیرنے لگا۔ وہ کنارے پہونچنے کی بے حد کوشش کرتا تھا مگر دریائی لہریں پہاڑ کی طرح اوٹھتی اور اسے دور پھینکتی تھیں۔ غریب بیچارہ تیرتے تیرتے دور نکل گیا اور کسی کنارے

کے درخت سے جا لگا۔ جس کے سہارے وہ بمشکل تمام پانی سے نکلا
دریا سے نکلکر جب اختر نے خشکی پر قدم رکھا تو وہ بھوک سے
جان بلب تھا۔ اسکی شدت و کمزوری سے وہ چل نہیں سکتا تھا
پس وہ سرکتا سرکتا قریب کے کھیتوں میں پہونچا۔ وہاں سے کچھ
اکھیڑ کر کھایا۔ اور پیٹ بھرا۔ جب ذرا جان میں جان آئی اور ہوش
آیا تو فوراً جمیلہ کا خیال آیا۔ اور اس خیال اور جدائی نے اسکو
پریشان بنا دیا۔ وہ سوچنے لگا۔ ہائے افسوس جمیلہ میرے لئے
کسقدر بیقرار ہوگی۔ اسپر کتنا رنج و الم طاری ہوگا۔ وہ میرے
فراق میں دیوانی ہوگئی ہوگی۔ حیف صد حیف میں اب کیسے گھر
جا سکتا ہوں مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں کیونکر
گھر پہونچوں۔ ان خیالات نے عشق کی آگ کو اور بڑھکا دیا
اور وہ جوش محبت میں جمیلہ جمیلہ پکارنے لگا۔ جب ذرا ہوش
آیا تو اٹھا اور گھر کی تلاش میں چلا۔

(۲)

شام کا وقت ہے۔ مزدور اپنے کاموں سے واپس آرہے ہیں
وحوش اپنے مسکنوں کو جا رہے ہیں۔ طیور درختوں پر بسیرا لینے
سے قبل شور مچا رہے ہیں۔ آفتاب غروب ہوا سیاہی جو افق پر
نمودار ہوئی۔ پھیلتے پھیلتے تمام آسمان پر چھاگئی۔ تارے جھلملانے
لگے۔ بیچاری جمیلہ اپنے شوہر کے فراق میں بیقرار ہے۔ سوچنے لگی
آج کیا ہوا جو ابھی تک نہیں آئے۔ زیادہ اندھیرا ہو جانے پر
اسکی پریشانی اور بڑھی۔ جذبہ محبت نے عورت کے دل پر اتنا

گھرا اثر کیا کہ وہ از خود رفتہ ہوگئی وہ دیوانی ہوگئی اور جوش محبت میں کبھی دروازہ کے قریب جاتی اور کبھی اپنے شوہر کی تصویر چھاتی سے لگاتی اور کہتی۔ اختر پیارے اختر تم کہاں ہو۔ کہاں گئے ہیں تم مجھسے نہیں بولتے کیا تم مجھسے ناراض ہو گئے۔ اب کیا نہیں بولو گے۔ نہیں اختر میرے اختر بولو۔ جلد بولو میں تمہارے لبوں کی جنبش کی منتظر ہوں۔ جب ہوش میں آئی اور عقل ٹھکانے ہوئی تو سوچنے لگی میں تو پاگل ہوگئی۔ یہ سوئی تصویر کہیں بولیگی۔ بس اب وہ مجھ سے بچھڑ گئے۔ اب وہ کہاں۔ اب نہیں ملینگے۔ مگر میں انکی محبت میں جان کھودونگی اور انکو ڈھونڈونگی۔ ان سے ملوں گی۔ مگر کیسے میں تو عورت ہوں کیا کر سکتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں۔ عورت کے دل پر جب محبت کا پورا اثر ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنے جان مال کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ بس یہی حال جمیلہ کا تھا۔ وہ جوش محبت میں اٹھی اور برقعہ پہنا۔ گھر سے باہر قدم نکالا

ایک عرصہ کے بعد وہ پھر پھرا کر شہر دہلی پہونچی وہاں ایک رئیس کے گھر میں ملازمت اختیار کی۔

(۳)

غانہ بدوشی میں جگہ جگہ کی خاک چھانتے چھانتے اختر اب دہلی کے ایک گلشن کا مالی ہے۔ اس چمن میں گلاب گل ریحان مولسری چنبیلی اور سب پھولنے پھلنے والے درخت ہیں۔ پٹڑیوں پر سبزہ اور سبزہ کے کنارے پھولی ہوئی سرخ گلاب کی قطاریں اس

زمردی قطعہ کو اپنی شوخی رنگ سے سرخ بنا دیتی ہیں۔ سرو اپنے مستانہ قد سے جھومتا بیلہ مولسری یاسمن اپنی بھینی بھینی خوشبو سے تمام چمن کی ہوا کو معطر بنا دیتی ہے۔ کلیاں چٹکتی ہیں چاندنی میں چمن بقعہ نور بن جاتا ہے۔ ماہ کی روشنی بلور کیطرح سفید آب جو میں اٹکھیلیاں کرتی ہے۔ ہوا کے ہلکے نازک جھونکے پتوں کو ہلاتے ہیں۔ نرگس تمام گلستاں کی فضاء و بہار کا مزا لوٹتا ہے۔ قمریاں سرو پر بلبلیں گلوں پر اپنے اپنے اظہار تمنا و اکتشاف راز دلی کر کے اڑ جاتی ہیں۔ امیر امراء اہل ذوق چمن کی سیر کو آتے ہیں۔ بہار کے مزے لوٹتے اور چلے جاتے ہیں

بچھڑا ہوا اختر بھی اس بہار کے مزے لوٹ رہا ہے۔ عہد و پیمان وصل یاد کر کرکے جذبہ محبت کو بڑھا رہا ہے۔ قوت متخیلہ بالکل خیالات وصال کے سمندر میں غوطہ لگا رہی ہے۔ قوت سامعہ آواز دلدار سننے کی مشتاق ہے۔ باصرہ جمال یار دیکھنے کو ترستی ہے اور شامہ معشوق کے معنبر زلفوں کی خوشبو سونگھنے کو تڑپ رہی ہے۔ دماغ رسائی کے منصوبہ گانٹھ رہا ہے۔ مگر ہیں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کچھ انجام نظر نہیں پڑتا۔ ان ہی پراگندہ خیالات میں محو تھا۔ کہ جب ذرا ہوش آیا تو دیکھا کہ زیادہ دیر ہو گئی اٹھا اور اپنی جھونپڑی کی راہ لی

(باقی آئندہ)

شکرستان خیال

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کیلئے

شیرینیاں تو بہت بہت چکھنے میں آئی ہیں اور میوے تو بڑے بڑے خوشگوار میسر آئے ہیں۔ مگر جو لطف ایک دوست کی بدولت شکرستان خیال میں دیکھا۔ اسکو کوئی نہیں پہنچتا۔ ہم چار تھے۔ کئی دن سفر میں رہے۔ سراؤں اور مسافر خانوں میں رہتے تنگ آ گئے۔ وہاں کے بے نمک کھانوں سے جی اکتا گیا۔ اور سرائے والوں کی مسافر نوازیوں سے جیبیں ہلکی ہو چلیں۔ کسی کا یہ کہنا تھا۔ کہ آیئے آج شب کے لئے ہمارے ہاں فروکش ہو جیئے۔ کہ ہم فوراً راضی ہو گئے اور اگر یہ اسباب نہ بھی ہوتے تو کسی کافر کی مجال تھی کہ انکار کرتا ہمارے دوست نے اصرار میں کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا تھا۔ ہماری گاڑی کا نظر آنا تھا کہ دوڑتے ہوئے آ گئے۔ ایک ایک سے مصافحہ کیا۔ اور ایک ایک سے معانقہ۔ معانقہ میں وہ مبالغہ کہ ایک دو نازک طبع گھبرا بھی گئے۔ ان کے چہرے سے گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر ہمارے دوست یوں لب کشا ہوئے (اوہو یہ محاورہ میں نے غلط لکھا۔ لب کشا تو وہ شروع سے تھے اور زبان تو تالو سے لگنے ہی نہیں پائی تھی) آپ ٹھہرے شہری نازک۔ ہم ہوئے دیہاتی اُجڈ ہم ٹھہرے طالب۔ آپ ٹھہرے مطلوب۔ ہمارے دل کی لگی کی آپ کو کیا خبر تنگ در کنار کشیدن کے مزے ہم سے پوچھیے۔ اس کے بغیر دل کی

لگی کہاں بجھتی ہے۔ ابھی کیا ہے یہ تو تمہیدی معانقہ ہے۔ اسپر ایک فرمائشی قہقہ پڑا۔ کہتے ہیں کہ قہقہ قفل درد دل کے لئے کلید ہے۔ آپس میں زیادہ کھلی ڈلی باتیں ہونے لگیں۔ انہوں نے بارہا بہ شدومد فرمایا کہ آج شب غریب خانہ میں رونق افروز ہوں۔ میرے تاریک گھر کا اجالا بنیں۔ ہم نے بہ منت التماس کی۔ کہ اگلے پڑاؤ پر جانے دیجئے۔ ابھی وقت ہے۔ یا کسی مہمان سرائے میں جانے کی اجازت دیجئے۔ آپ سے ملنے کی مسرت حاصل ہوگئی۔ یہی غنیمت ہے۔ مگر کون سنتا تھا۔ اسباب ہمارا باہر پھینک دیا گیا ہے۔ دو چار آدمی اس کو سمیٹنے اور کمرے کی طرف لے جانے لگے۔ اور ہمارے باہمت میزباں اکیلے چاروں کو سمیٹتے ہوئے نہایت فاتحانہ ادا سے شور مچاتے ہوئے فرودگاہ کی طرف لے گئے۔ ہم نے اپنے آپکو ایک مکلف اور آراستہ کمرے میں پایا۔ سفر کی تکان۔ گرد و پیش آسائش کے سامان بے تکلف میزباں۔ بے تکلف مہماں۔ اگر کسی ایک آدھ کے دل میں ٹھہر جانیکے متعلق تامل باقی تھا۔ تو وہ بھی جاتا رہا۔ اور گھر کی طرح گھر سمجھ کر ہم وہاں جم گئے۔

میزباں۔ اس مکان کا موقعہ اور منظر ملاحظہ فرمایئے گا۔ اس سے بہتر مکان اس شہر میں تعمیر نہیں کیا گیا۔ اس کی ایک ایک اینٹ اپنی تاریخ رکھتی ہے۔ یہ دروازے جو آپ دیکھ رہے ہیں بیداغ دیودار کے ہیں۔ اور یہ طاق جو اس دریچہ میں لگے ہیں خالص صندل کے ہیں۔ سامان آرائش میں دیکھئے میں نے کس کوشش سے ملکی اور انگریزی مذاق کو جمع کیا ہے

اور عمدہ انگریزی سامان لانے کے لئے مجھے دو دفعہ کلکتہ اور بمبئی تک سفر کرنا پڑا۔

مہمان۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا دولتکدہ تو اور زمانہ میں سے ہے اور ہماری عین خوش قسمتی ہے۔ کہ ہمیں اس میں فروکش ہونے کا موقعہ ملا۔

میزبان۔ آپ اسے خانۂ بے تکلف سمجھئے اور کچھ نہ ہو تو ایک ہفتہ عشرہ تو یہاں قیام فرمائیے۔

مہمان۔ آپ کمال نوازش فرماتے ہیں۔ اس وقت تو اسقدر مہلت نہیں۔ لیکن اگر آپ کی کرم فرمائی کی یہی کیفیت رہی تو کیا عجب ہے کہ ہفتہ عشرہ چھوڑ مہینہ بھر کے لئے آپکے ہاں کبھی آ ٹھہریں۔

میزبان جناب آپ کا گھر ہے۔ آپ جبتک رہیں ہمارے لئے موجب فخر و عزت ہے۔ واللہ وہی راحت ہوتی ہے۔ جب کوئی مہمان گھر آجاتا ہے۔ مکان بھرا بھرا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ باینہمہ آرائش سُونا پڑا رہتا ہے۔ میں ایک جان اس میں کہانتک پاؤں پھیلاؤں۔ زنانہ علیحدہ ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایک عمدہ مردانہ نشست موجود ہے۔ کبھی یہاں بیٹھتا ہوں۔ کبھی وہاں۔ آئیے آپ کو اوپر سے اس مکان کا نظارہ دکھلاؤں۔

(سب بالاخانہ پر جاتے ہیں)

مہمان۔ آہا کیا دلاویز منظر ہے۔ اُس سامنے کی پہاڑی کو تو دیکھئے

اس کی سبز سبز رنگت کیسی سہانی ہے۔ دریا کس مزے سے بہ رہا ہے
اس مکان میں رہنا بہشت کا لطف رکھتا ہے۔

میزبان (دل میں پھولا نہ سماکر) وہ اونچا مکان جو دور نظر آتا ہے
اسی عاجز کا ہے۔ اور وہ مسجد جس کے مینار بادلوں سے
باتیں کر رہے ہیں۔ میرے ہی بزرگوں کی بنائی ہوئی ہے
یہ اس شہر کے اردگرد جو باغات نظر آتے ہیں۔ یہ سب آپ
ہی کے ہیں۔

مہمان۔ اوہو اس کثرت سے باغ اس شہر کے گرد ہیں۔ اور یہ سب
آپ کے ہیں؟

میزبان۔ آپ دیکھیں گے کیسے کیسے نفیس میوے ان میں اس وقت
تیار ہیں۔

(نوکر کو آواز دیتا ہے)

ارے جما چلو جلدی بڑے باغ کو دوڑ جاؤ۔ اور مالی سے کہدو کہ بہترین
ڈالی تیار کرکے لائے۔ راستہ میں حوض والے باغ کے مالی کو بھی کھینچے
جانا۔ تاکہ اس سے پوچھوں کہ اس کے ہاں کیا کیا چیز تیار ہے (ایک اور
نوکر کو آواز دیتا ہے) ارے کوئی ہے۔ لپک کے مجتے کے پیچھے جانا اور
اسے کہنا کہ چند خوبصورت گلدستے بھی بنوا لائے۔ اور ایک آدمی اور
ادہر آؤ۔ دوڑ کے گھر جاؤ۔ اور چاء کا سامان لے آؤ۔ (مہمانوں کی
طرف مخاطب ہوکر) معاف رکھئے گا میں کسقدر بیہودہ واقع ہوا ہوں
چاء وغیرہ کی مدارات بالکل بھول ہی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی
کسی دیرینہ دوست سے ملاقات ہوتی ہے۔ دنیا و مافیہا سے بالکل

بے خبر ہو جاتا ہوں۔

مہمان - آپ خواہ مخواہ تکلف فرماتے ہیں۔ یہ سیر جو آپ کرا رہے تھے اور جو مسرت آپ کے کمرہ کو دیکھکر ہوئی۔ یہ کیا کسی مدارات سے کم تھی

میزبان - نہیں صاحب ایسی بھی کیا مدارات - کہ باتوں ہی باتوں میں ٹالدیا جاوے - آپ سفر سے آئے ہیں - آپ کو سب سے پہلے چاء ملنی چاہیئے تھی - کوئی ہے! اِدہر آؤ - غفار چاء کا سامان لینے گیا ہے - تم دوڑکر دودہ اور چینی لے آؤ - چاء یہاں موجود ہے - جلد دم کرو - کوئی اور آدمی ہو تو اُسے نان خطائی لانے کے لئے دوڑا دو (پھر مہمانوں سے مخاطب ہو کر) یہ بھی فرمادیجئے کہ رات کا کھانا آپ کس وقت کھاتے ہیں - اور کیا کیا خاص چیز مرغوب ہے - میں ہوں تو غریب آدمی لیکن مہمانوں کی تواضع اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہوں - اور یہ تو بتائیے - آپ کو کچھ نغمہ کا بھی شوق ہے ہو تو وہ بھی حاضر کیا جائے - اسوقت شام کی سیر گاڑی میں کیجیئے گا یا کشتی میں؟ ایک شکاری آپ کے لئے خاص کئے دیتا ہوں (پھر کسی نوکر کو آواز دیکر) جاؤ اور ہماری خاص سواری کی کشتی جو ہے - اسے روک لو - کوئی اور لیجانے نہ پائے - کیا کروں لوگ مانگ لیجاتے ہیں اور انکار کرنا خلاف مروت سمجھتا ہوں -

(باقی آئندہ)

جناب محمد احمد صاحب احمدؔ سہارنپوری تلمیذ رشید امیر الکلام حضرت غریب سہارنپوری

نہایت شکریہ کے ساتھ جناب احمدؔ صاحب سہارنپوری کا کلام فصاحت نظام شمع تجلی میں درج کیا جاتا ہے۔ آپکے کلام کی خوبی حسن تخیل زبان کی بندش قابل داد ہے۔ اسی بنا پر شعراء بریلی نے آپکے کلام سے محظوظ ومسرور ہو کر ازراہ قدردانی آپکو سلطان الشعراء کا خطاب دیا ہے۔ اور مشاعرہ نمائش مراد آباد و سہارنپور میں آپ انعامی تمغے حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ آپ وقتاً فوقتاً اپنا کلام عنایت فرماکر شمع تجلی کی عزت بڑھاتے رہینگے (اڈیٹر)

ہوشکے جسروز وہ مہماں چلے جاتے ہیں ساتھ اونکے میرے اوسان چلے جاتے ہیں
نہ خفا ہو تیرے قربان چلے جاتے ہیں جاتے ہیں جاتے ہیں لیجاں چلے جاتے ہیں
پاس سے بنکے وہ انجان چلے جاتے ہیں جیسے کچھ جان نہ پہچان چلے جاتے ہیں
بزم دشمن میں اونہیں کچھ نہیں ہوتی تکلیف میرے گھر آتے ہی اوسان چلے جاتے ہیں
کوئے جاناں کی ہمیں مشق ہوئی ہے ایسی ہو کہیں پاؤں کہیں دھیان چلے جاتے ہیں
روز کر جاتے ہیں پامال میرے مرقد کو اونکے اتنے بھی احسان چلے جاتے ہیں
کیا کریں روک کے ہم بزم عدو کا رستہ وہ تو گھر بیٹھے ہی مہمان چلے جاتے ہیں
آپ کیوں کھینچتے ہاں سچ ہے بجا ہے صاحب اڑکے خود غیر کے گھر پان چلے جاتے ہیں
اپنی کہتے ہو کسی اور کی سنتے ہی نہیں دم گفتار کہیں کان چلے جاتے ہیں
آپ آتے ہیں تو آتے ہیں میرے ہوش و حواس آپ جاتے ہیں تو اوسان چلے جاتے ہیں

شیخ فیض ہے دربار محمد احمد
مور ہو ہو کے سلیمان چلے جاتے ہیں

از جناب حکیم قمیش احمد صاحب کیف قدوسی گنگوہی تلمیذ امیر الکلام حضرت غوثیہ سہارنپوری

سبب گردش کا اونکی کہل گیا ہے اہل دانش پر
یہ جو خورشید قرباں ہیں تمہارے رخ کی تابش پر

نہ کی تو نے توجہ میری خواہش پر گذارش پر
غضب ڈہایا کیا ہے قتل دشمن کی سفارش پر

ندیمے ہم نہیں ڈالیں نظر ساغر کی گردش پر
کہ ہے ساقی نگہ اپنی تری چشم نوازش پر

ہوا ہے چشم ساقی پر ہو دہوکا جام صہبا کا
گرے پڑتے ہیں میکش دیدۂ میگوں کی گردش پر

گرا میں اونکے قدموں پر دفور بیخودی سے جب
ہوا چیں بر جبیں ساقی میرے مستانہ لغزش پر

مئے کوثر کا طالب اور تجھکو مے سے نفرت ہے
پڑا غفلت کا پردہ شیخ تیری عقل و دانش پر

تو بے ہمتا ہے خوبی میں تو وہ یکتا ہے خوبی میں
کہ صورت آفریں نازاں ہے تیری آفرینش پر

سرے دشمن اٹھائیں تیغ کا احسان اے قاتل
کرے گا سر کو قرباں میں ترے ابرو کی جنبش پر

سوائے یاس و حرماں مونس و ہمدم نہ تہا کوئی
جو دو آنسو بہا دیتا شب غم دل کی کاہش پر

دفور اشک نے محروم رکہا دید جاناں سے
پہرا ہے آہ پانی اپنے ہاتھوں اپنی خواہش پر

ادھر ہے میرے کہنے میں ادھر دلبر کے کہنے میں
ہنسی آتی ہے مجھکو کیفیت اپنے دل کی سازش پر

بہت ان کو آیا حجاب اول اول — ہٹایا جو رخ سے نقاب اول اول
کہا میں نے اوس سے کہ اسکا سبب کیا — تمہیں ہم سے تھا اجتناب اول اول
یہ فرمایا شکر کہ میں کیسا بتاؤں — حیا کے سبب تھا حجاب اول اول
میں سمجھا کہ اترا ہے چاند آسماں سے — جو دیکھا انہیں بے نقاب اول اول
کہا جب یہ میں نے کہ ہوں تیرا شیدا — پڑیں گالیاں بے حساب اول اول
طبیعت ہوئی شاد وہ لطف آیا — پڑھی عشق کی جب کتاب اول اول
قدم اسمیں رکھا بہت شاد ہوکر — ہوا وا جو الفت کا باب اول اول
عذاب ہوگیا اوس سے دل کا لگانا — جسے ہم تھے سمجھے ثواب اول اول
ابھی کیا ہے تا زیست رونا پڑیگا — ابھی ہے محبت کا باب اول اول
لگے کرنے اب وہ بھی اظہار الفت — رہا کچھ دنوں اجتناب اول اول
نہ گھبراؤ عشق میں سب کو کامل — کہ ہونا پڑا ہے خراب اول اول

(کامل شیرکوٹی مقیم ہردوئی)

بادۂ کہن

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہوگیا — میں بت پرستیوں سے مسلمان ہوگیا
مے تو حلال ہے جو پئے وحدت کا بادہ نوش — میں توبہ کرکے اور پشیمان ہوگیا
وہ خلوت بے ریا کی ہے صحبت کسے نصیب — ازار میری جان کو ارمان ہوگیا
لو اے بتو سنو کہ وہ داغ صنم پرست — مسجد میں جا کے آج مسلمان ہوگیا

از جناب محمد عباس خاں صاحب سفیر افضل گڈھوی تلمیذ حضرت فخر الشعراء مولانا دبیر یادگار مولانا سید ظہیر دہلوی مغفور

(در نعت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم)

ہوا ہے آیت دل پر نقش کیا جیب پیمبر کا
خدا شاہد ہے سب جاتا رہا غم روز محشر کا

گدائے در ہو نہیں اوس بادشاہ ہفت کشور کا
سکندر چاکر ادنیٰ ہے جسکے سائل در کا

ہوا ہوں جب سے دیوانہ قسیم حوض کوثر کا
پیا کرتا ہوں میں ساغر شراب ناب اطہر کا

مقابل ایسے پر انوار کے ہو کس طرح کوئی
کہ جسکا نقش پا مہ ہے پسینہ خورشید خاور کا

کرائے سیر ساتوں آسماں کی آن واحد میں
تعالیٰ اللہ ہے یہ شان یہ رتبہ پیمبر کا

سنایا کلمۂ توحید پڑھکر سنگ ریزوں نے
نہ پگھلا پھر بھی وہ کفار دل تھا جنکا پتھر کا

دم وصف نبی خامہ نے کی وہ عطر افشانی
کہ گویا بن گیا کاغذ مجسم مشک و عنبر کا

اوکھڑ کر خود در خیبر گرا حیدر کے قدموں پر
کیا اسوقت اک نعرہ بلند اللہ اکبر کا

زلیخا کو بجا ہے ناز اے دل حسن یوسف پر
خبر کیا اوسکو یہ جلوہ ہے کسکے روئے انور کا

شفیع المذنبین کی اک نگاہ لطف جب ہوگی
بکھر جائیگا شیرازہ میرے عصیاں کے دفتر کا

کلید اشہد ان لا الہ میں پاس رکھتا ہوں
مجھے دشوار ہے کیا کھولنا فردوس کے در کا

شفیع المذنبین ہو تم امام المرسلیں ہو تم
تمہارا امتی جو ہے سکندر ہے مقدر کا

سفیر ناتواں کب نعت احمد اسطرح لکھتا
نہ ہوتا فیض اگر یاور دبیر نکتہ پرور کا

طبی مشورہ اور ہر مرض کی مجرب اور زود اثر ادویات سستی قیمت پر ملنے کا پتہ۔ حکیم ناظر الدین احمد دہلوی۔ دہرہ دون

از جناب نور احمد صاحب اعزاز بریلوی تلمیذ جناب آثم بریلوی مد ظلہ العالی دہرہ دون

جب سے شیدا ہم ہیں ابروئے بت بے پیر کے
تیر دل سے کوئی پوچھے جوہر اس شمشیر کے

ہوں وہ وحشی کی قفس گل میں سا دست وحشت چھیڑ کے
رکھدئے ہیں دامن و جیب و گریباں چیر کے

رشتۂ الفت کبھی کٹنے کا اسے قاتل نہیں
وار ہوں گردن پہ کتنے ہی تیری شمشیر کے

چرخ پیر تھگلی لگائیں لاکھ تدبیریں کریں
پیچ یہ ہے کچھ سامنے چلتی نہیں تقدیر کے

ہو بجز جور و ستم مہر کی کیا اوس سے امید
جب وہ پرساں ہی نہیں ہیں عاشق دلگیر کے

تو ہے لاثانی تو ہر عالم میں وہ بھی بے مثال
تیری صورت کے ہیں شیدا یا تری تصویر کے

اس شکست دل نے توڑی کبر و نخوت کی بنا
دیکھو کیا جوہر ہیں اس ٹوٹی ہوئی شمشیر کے

یا تو خط لایا بلا کر اسکو لا اے نامہ بر
ہم ہیں عاشق یار کی تحریر کے تقریر کے

کان تک جیسے بھی پہونچی یہ صدا سودا ہوا
وحشت افزا ہیں عجب نالے میری زنجیر کے

وصف کرتا ہوں زباں سے تیغ و ابرو کا تری
دیکھکر جوہر کٹیں جلسہ نہ کیوں تقریر کے

دیکھو زخمی وہ خم ابرو سے ایسا کرنے لگا
اندنوں وہ کام لیتا ہے کماں سے تیر کے

اب ہمارے دم سے ہی آباد یہ وحشت جنوں
حضرت مجنوں تھے مالک پہلے اس جاگیر کے

اور کیا اللہ اکبر اس سے بڑھکر ہو ستم
پھیری گردن پہ چھری قاتل نے بے تکبیر کے

مجھسا اے اعزاز نافرماں نہ ہوگا دوسرا
نخل عصیاں نے ہزاروں گل کھلے تقصیر کے

معذرت - افسوس ہے کہ میری مسلسل علالت کی وجہ سے رسالوں کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی - امید ہے کہ ناظرین کرام معاف فرمادینگے کوشش کیجارہی ہے کہ ماہ جنوری و فروری کے دونوں رسالے ساتھ شایع کردیئے جائیں بعدہ انشاءاللہ اپنے مقررہ وقت پر رسالہ شایع ہوتا رہیگا -

(اڈیٹر)

جناب محمد عباس خاں صاحب سفیر دہرہ دون

بڑھ گیا شوقِ شہادت تیغ قاتل دیکھکر
سوئے مقتل خوش نہ ہو کیونکر مرا دل دیکھکر

جو اسے دنیا ہی دیدے اپنی قابل دیکھکر
اڑ گیا ہی در پہ تیرے کچھ تو مائل دیکھکر

میں ادھر بسمل ہوں اب تیغ قاتل دیکھکر
رقص میں قاتل ادھر ہے رقص بسمل دیکھکر

منزلوں کا اسکی طے کرنا ہنسی ٹھٹھا نہیں
راہ الفت میں قدم رکھنا تو آگے دل دیکھکر

آئینہ کو پاس تک آنے نہ دینا دیکھنا
ورنہ پچھتاؤگے تم اپنا مقابل دیکھکر

رنج و غم درد و الم سے دل کا بچنا ہی محال
کارواں بستر لگا دیتا ہی منزل دیکھکر

تھا ارادہ آج اگر مجھ سخت جان کے قتل کا
تو مجھے خنجر کوئی لانا تھا قاتل دیکھکر

اسقدر کرتا نہ تھا واعظ کبھی اوصافِ خلد
بیگماں آیا ہی یہ آج اونکی محفل دیکھکر

شہر تیرے ہی کیا آئے وامق و فرہاد و قیس
کہتا ہی اکمل مجھے ہر ایک کامل دیکھکر

عرصہ گاہِ حشر میں وہ اور بھی گھبرا گئے
پیشِ داور مجھکو مظلوموں میں شامل دیکھکر

گالیاں دیکر سوال وصل پر مجھ سے کہا
ہم دیا کرتے ہیں ہر سائل کے قابل دیکھکر

ہے جنونِ عشق میں وہ جن بھی سر پر سوار
دور ہی سے بھاگتے ہیں جسکو عامل دیکھکر

محملِ لیلیٰ نہ بہتر ہرگز اوسکے دل سے تھا
تھا جنونِ مجنوں کو خوش ہوتا تھا محمل دیکھکر

اسطرح بے سوچے سمجھے غیر و دشمن جانا نہ تھا
مہرباں کرتے ہیں ہر ایک کام عاقل دیکھکر

زیرِ خنجر ہنس دیا اُف تک نہ کی تو نے سفیر
محوِ حیرت ہو گیا قاتل ترا دل دیکھکر

جناب محمد شریف صاحب شریفؔ دہرہ دون

آرزوئے قتل ہیں مجکو نہ گریاں کیجئے
روز کا جھگڑا اکٹے شمشیر عریاں کیجئے

حمد سے غافل نہو اس مصحف رخسار کی
کم ہے ایدل جسقدر تعریف قرآں کیجئے

انکے وعدے پر نہ جا ایدل وہ کیا دینے لگے
بے ضرورت گھر میں کیوں بزم چراغاں کیجئے

یوں سوال وصل پر تم ہوگئے خاموش کیوں
یا نہیں کر دیجئے منہ سے نہیں ہاں کیجئے

وہ بت خود سر جو بات ایماں کی کہنے لگے
ایسے کافر کا کہو پھر کیا مسلماں کیجئے

اب تیرا وحشی بنے گا اسکی جا صحرا نشین
کہدو مجنوں سے کہ بس خالی بیاباں کیجئے

تیرا شیدائی سدا بیمار فرقت میں رہا
اے مسیحا اب علاج درد ہجراں کیجئے

چرخ پر خورشید کو آئیں ابھی تارے نظر
روئے روشن کو ذرا پردے سے عریاں کیجئے

میری رسوائی کے باعث آپکی شہرت ہوئی
اب کسی صورت مجھے ممنون و احساں کیجئے

اپنے دیوانوں کی اک دل بستگی کے واسطے
اب کہیں اے شمع رو تعمیر زنداں کیجئے

دام غم سے اب کوئی صورت رہائی کی نہیں
یا خداوندا میری مشکل کو آساں کیجئے

یہ نہیں اچھی کہ ہے اقرار کا پہلو لئے
کون کہتا ہے سوال وصل پر ہاں کیجئے

اب دانہ جب نہ دے جانے وطن سے اے شریفؔ
کیوں سمند عقل کو غربت میں جولاں کیجئے

ڈیرہ دون کی مشہور چاء - شائقین والا تمکین ڈیرہ دون کی چائے ہر جگہ مشہور ہے - مگر عام دکانداروں کی چالاکی نے خریداروں کو بدظن کر دیا ہے - ہم خریداران کی آسانی اور اطمینان کیواسطے مشتہر کرتے ہیں کہ ہم عمدہ قسم کی چاء بغیر کسی آمیزش بکفایت دیتے ہیں - نمونہ درآمد پی کو فی پونڈ عہ
[illegible]

سوداگران کے لئے خاص رعایت جو منیجر شمع تجلی سے بذریعہ خط و کتابت طے ہو سکتی ہے -

(از جناب محمد ارشاد حسین صاحب شاد صابری امبیٹھوی مقیم بمبئی)

کام گر ہونے نہیں دیتی کسی تدبیر کو
رو دوں کب تک ہمنشیں اس خوبیِ تقدیر کو

یار الفت نے دکھایا کسطرح کا انقلاب
کر دیا زیر و زبر گویا میری تقدیر کو

ناز بیجا کیوں اٹھاؤں ناز بیجا کیوں ہو
تم بدل سکتے نہیں ہرگز میری تقدیر کو

کر دیا مقتل میں ہمنے بھی سرِ تسلیم خم
میان سے قاتل نے کھینچا جسگھڑی شمشیر کو

ہاتھ وہ ظلم و ستم سے پھر اٹھائیں کسطرح
کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں آہ کی تاثیر کو

بیقدر پھر دلمیں آئے بیوفائی کیجئے
آپ پہلے کیجئے ثابت میرے تقصیر کو

اشتیاق خوں سے لکھا ہے میں نے دل کا مدعا
اب تو کچھ سمجھینگے شاید وہ میری تحریر کو

ہے اگر تیری نزاکت تجھکو مانع قتل سے
لا گلے سے تو دو گلوں میں تیرے شمشیر کو

عشق ہی نے مجھکو بخشا ہے یہ ذوق آگہی
منظر تک جانتا ہوں میں ترے تصویر کو

چشم بینا کی حقیقت یہ ہوئی مجھ پر عیاں
دیکھتا ہوں ہر طرف میں یار کی تصویر کو

پھر میں اے شاداب کیا کیجئے آہ و فغاں
جب اثر کرتا ہے وہ سنکر نالۂ شبگیر کو

غزل

سمجھ ہی میں نہیں آتا ہی تیرا راز مشکل ہے
کہیں پیر مغاں ہے تو کہیں پر دشمن کامل ہے

خدا رکھے زمانے میں عجب دربار قاتل ہے
کوئی دم توڑتا ہے خاک پر اور کوئی بسمل ہے

بگولا دیکھکر صحرا میں یہ مجنوں پکار اٹھا
یہی ہے یار کا قاصد یہی لیلا کی محمل ہے

میرا دل لے لیا اور پھر پوچھتے ہیں مجھسے ہنسکر
بتا دیں کیا ہوا کسنے لیا کس جا تیرا دل ہے

امید وصل دیتی ہے سہارا زندگانی کو
شکور اب جان دینا بھی نہیں آسان مشکل ہے

محمد عبد الشکور خاں۔ کلرک محکمہ چنگی لکھنؤ